تاریخِ مملکتِ اسلام

★ شوکت علی
★ محمد اعظم
★ ریاض الاسلام

پبلشرز یونائیٹڈ - ۱۷۶ انار کلی، لاہور

Price: Rs. 7-8-0

تاریخ مملکتِ اسلام

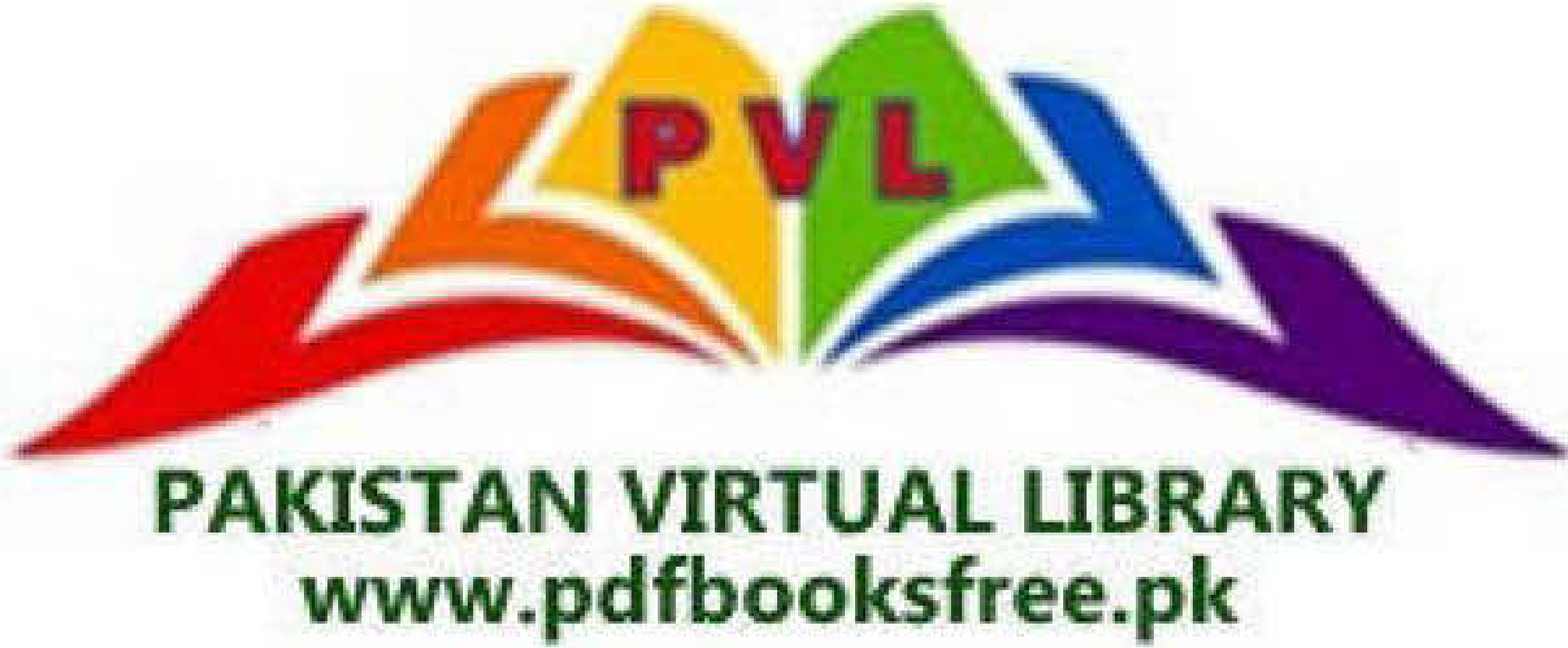
از

شوکت علی ایم اے لیکچرار پنجاب یونیورسٹی لاہور

محمد اعظم ایم اے لیکچرار گارڈن کالج راولپنڈی

ڈاکٹر ریاض الاسلام ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈپٹی ڈائرکٹر دفتر تاریخی دستاویزات

پبلشرز یونائیٹڈ لمیٹڈ - ۱۷۶ - انارکلی - لاہور



بار چہارم ۱۹۵۵ء

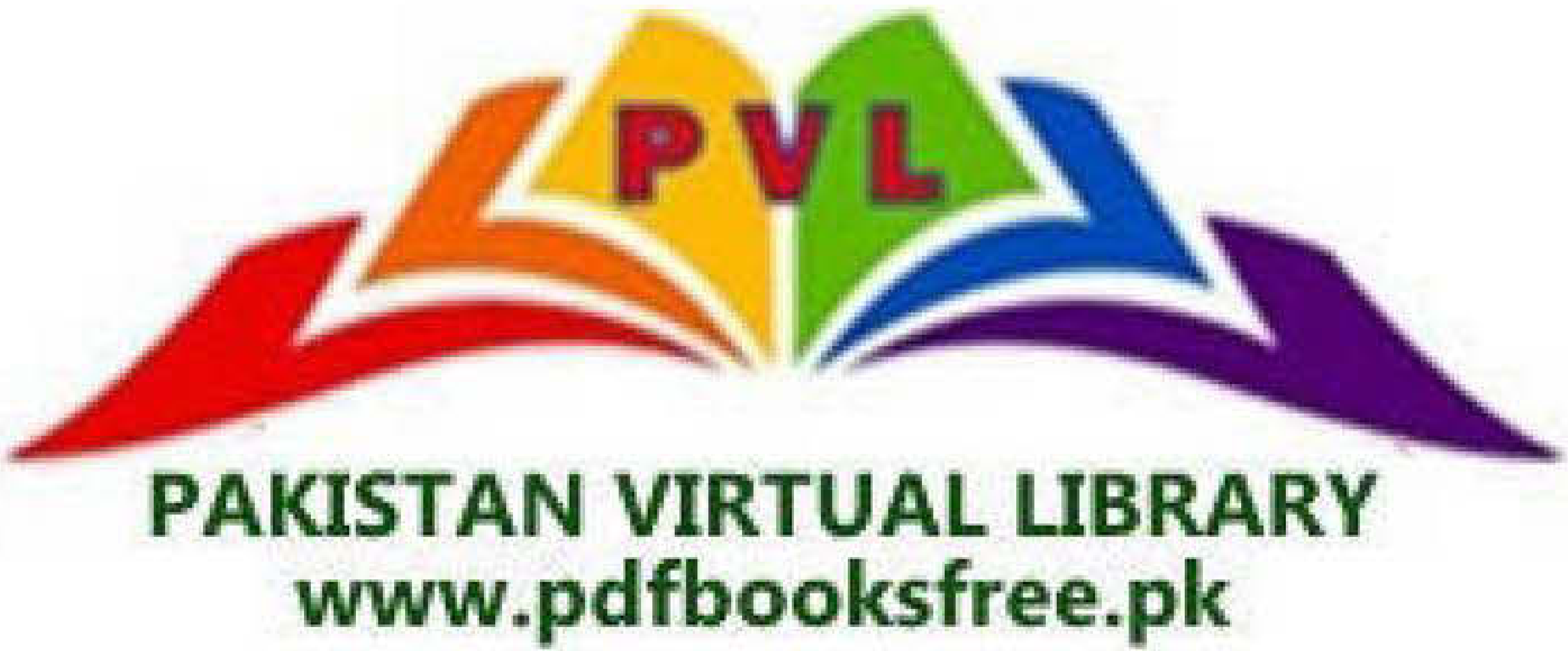
شیخ محمد امین پبلشر نے کوآپریٹیو کیپیٹل پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر پبلشرز یونائیٹڈ ۷۶-۱ انارکلی لاہور سے شائع کیا۔



پہلی صدی ہجری
اسلامی فتوحات
میل
عیسائی ریاستیں
دوسری غیر مسلم ریاستیں
اسلامی مقبوضات
پبلشرز یونائیٹڈ لمیٹڈ لاہور
فرانس
ہسپانیہ
اطالیہ
سسلی
یونان
بحیرہ اسود
ایشیائے کوچک
قیروان
بربر
بحیرۂ روم
اسکندریہ
شام
دمشق
عراق
بغداد
کوفہ
فرات
دجلہ
بصرہ
جزیرۃ العرب
بحیرہ کیسپین
طوس
نیشاپور
ایران
خلیج فارس
عمان
حضرموت
یمن
عدن
حبشہ
بحیرۂ عرب



فہرست مضامین



دیباچہ

تقسیم پاک و ہند سے پہلے علمی دنیا کے ارباب حل و عقد کی تاریخ اسلام کی طرف بے اعتنائی نہایت مجرمانہ تھی۔ اس لئے پاکستان بننے کے بعد تعلیمی نصاب میں اسلامی تاریخ کا داخلہ نہایت اہم اور مفید قدم تھا۔ ایک پڑھے لکھے مسلمان کے لئے اپنی تاریخ کا نہ جاننا انتہائی ناز یبا ہے۔ کیونکہ قومی زندگی کی صحت کے لئے اس کے افراد کا اپنی تاریخ اور اپنے جلیل القدر اور برگزیدہ ناموروں کے کارناموں سے آگاہی حاصل کرنا اشد ضروری ہے اور اس کے بغیر ہمارے نزدیک ہر مسلمان کی تعلیم کو ادھورا سمجھنا چاہئے۔ چنانچہ پاکستان بننے کے فوراً بعد پنجاب یونیورسٹی نے اپنے تمام امتحانات میں تاریخ اسلام کو شامل نصاب کر دیا۔ مگر اس معاملہ کا ایک افسوس ناک پہلو بھی تھا۔ وہ یہ کہ طالب علموں کے لئے کوئی ایسی کتاب موجود نہ تھی۔ جو یونیورسٹی نصاب کے مطابق ہو، اور ان کی ضروریات کو پورا کر سکے۔ زیر نظر کتاب

میں مصنفین نے پنجاب یونیورسٹی کے انٹرمیڈیٹ طالب علموں کی اس ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب کے ابواب کو یونیورسٹی کے سلیبس کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے اور واقعات اور تفاصیل کو بڑی عرقریزی کے ساتھ مستند کتابوں سے اخذ کیا ہے۔ نیز مصنفین نے یہ بھی کوشش کی ہے کہ زبان آسان اور سلجھی ہوئی ہو تاکہ طلباء کو مطالب کے سمجھنے میں کسی قسم کی دقت پیش نہ آئے اس کے علاوہ اس کتاب میں تاریخ اسلام کے مختلف ادوار کے محض سیاسی حالات ہی بیان نہیں کئے گئے۔ بلکہ مختلف عہود کی ثقافتی۔ علمی اور ذہنی ترقی کا ذکر بھی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ امید ہے کہ مصنفین کی یہ کاوش طلباء کے لئے مفید مطلب ثابت ہو گی۔

مصنفین

باب ۱

ملکِ عرب اور اُس کے باشندے

عرب کی وجہ تسمیہ

"عرب" کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف رائیں ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ عرب اور اعراب کے معنی فصاحت اور زباندانی کے ہیں۔ چونکہ عربوں کو اپنی زباندانی پر ناز تھا اس لئے وہ اپنے آپ کو "عرب" اور دوسرے لوگوں کو "عجم" یعنی گونگا کہتے تھے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ "عرب" کے معنی سامی زبانوں میں صحرا یا ریگستان کے ہیں۔ چونکہ اس ملک کا زیادہ حصّہ ریگستان ہے اس لئے تمام ملک کو "عرب" کہنے لگے۔ ان میں سے پہلی توضیح زیادہ قرینِ قیاس اور قابلِ قبول ہے۔

جغرافیائی محل وقوع

عرب کا ملک ایک جزیرہ نما ہے جو پُرانی دُنیا کے تین بڑا عظموں یعنی ایشیا، یورپ اور افریقہ کے سنگم پر واقع ہے۔ یہ تین طرف سے خلیج فارس، بحیرہ عرب اور بحیرۂ قلزم سے گھرا ہوا ہے۔ تمام ملک میں خشک پہاڑوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ ان پہاڑوں کا سب سے طویل سلسلہ یمن سے لے کر شام تک ہے جس کو جبل السراۃ کہتے ہیں ملک کا تقریباً ایک چوتھائی حصّہ ریگستان ہے جس کو ربع الخالی کہتے ہیں صرف یمن اور نجد سرسبز اور شاداب علاقے ہیں۔

طبعی لحاظ سے اس کے پانچ حصّے ہیں:۔

۱۔ **حجاز**:۔ یہ جبل السراۃ کا وہ حصّہ ہے جو شرقاً غرباً یمن سے شام

تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے ایک حصّے کو لحجاز کہتے ہیں۔ جس کے سب سے مشہور شہر مکّہ، طائف اور جدّہ ہیں۔ جدّہ، مکّہ کی بندرگاہ ہے۔ طائف، مکہ سے قریب ہی ایک صحت افزا مقام ہے۔ دوسرے حصّے کا نام تہامہ ہے جس کا مرکزی شہر مدینہ ہے۔ مدینہ کی بندرگاہ ینبوع ہے۔

٢۔ عرب کے وسط میں نجد کا سرسبز اور شاداب علاقہ ہے۔ اس کا دارالخلافہ ریاض ہے۔ آج کل نجد اور حجاز ایک سلطنت میں شامل ہیں۔ جس کا فرمانروا سلطان سعود ہے۔

٣۔ نجد کے جنوب میں بحیرۂ عرب اور بحیرۂ قلزم سے گھرا ہوا یمن کا علاقہ ہے یہ ایک آزاد سلطنت ہے۔ اس کے حکمران کو امام کہتے ہیں اور اس کا دارالخلافہ صنعا ہے۔

٤۔ ان تین بڑی سلطنتوں کے علاوہ کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہیں جن میں بحرین عمان اور حضرموت زیادہ مشہور ہیں۔ بحیرۂ قلزم کے دہانے پر عدن کی بندرگاہ ہے جو انگریزوں کے ماتحت ہے۔

٥۔ ربع الخالی۔ جو تمام تر ریگستان ہے اور جہاں کوئی آبادی نہیں۔

باشندے عرب کے تمام قبائل سامی نسل سے تعلق رکھتے ہیں (سام حضرت نوحؑ کا بیٹا تھا۔ عرب اور یہودی اسی کی اولاد ہیں) مورخین نے تمام عربوں کو تین شاخوں میں تقسیم کیا ہے :-

عرب بائدہ۔ عرب عاربہ اور عرب مستعربہ

١۔ عرب بائدہ :- عرب کے وہ پرانے باشندے، جو اسلام سے بہت پہلے فنا ہو چکے تھے۔ ان میں عاد۔ ثمود۔ طسم۔ جدیس وغیرہ شامل ہیں۔ عاد اور ثمود کا ذکر قرآنِ کریم میں بھی موجود ہے۔ ان میں سے اکثر اللہ تعالےٰ کے عذاب کا شکار ہوئے

٢۔ عرب عاربہ یا بنی قحطان :- ان کا اصلی وطن یمن تھا۔ لیکن عرب

بائدہ کے فنا ہونے کے بعد یہ لوگ آکر آباد ہو گئے۔ ان کو بنی قحطان بھی کہتے ہیں قحطان، سام کا بیٹا اور حضرتِ نوحؑ کا پوتا تھا۔ بنی قحطان کی سب سے مشہور شاخیں بنو جرہم اور بنو یعرب تھیں۔ پرانے زمانے میں بنی قحطان میں سے عبد شمس ایک مشہور بادشاہ ہو گزرا ہے اس نے یمن کا مشہور شہر مآرب بسایا تھا۔ جس کے کھنڈر اب دستیاب ہوئے ہیں۔ اس بادشاہ نے اس شہر کے نزدیک تین پہاڑوں کے درمیان ایک بہت بڑا بند تعمیر کیا۔ جس میں بہت سے چشموں کا پانی آکر جمع ہو جاتا تھا۔ اور اس سے تمام ملک کو سیراب کیا جاتا تھا۔ بعد میں یہ بند کمزور ہو کر ٹوٹ گیا۔ جس سے سارے ملک میں بہت بڑا سیلاب آگیا۔ اس سیلاب کا ذکر قرآنِ مجید میں بھی آیا ہے۔ اور عرب کے قصے کہانیوں میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ اس سیلاب سے تباہ ہو کر یمن کے بہت سے قبیلے عرب کے دوسرے علاقوں میں جاکر آباد ہو گئے۔

(تاریخ ملت اول ۲۰)

۳۔ عرب مستعربہ یا بنی اسمٰعیل یا بنی عدنان:۔ حجاز اور نجد کے باشندے اس شاخ سے ہیں۔ اس شاخ کے جدِ امجد حضرتِ اسمٰعیلؑ تھے۔ حضرتِ اسمٰعیلؑ کو ان کے والد حضرتِ ابراہیمؑ حجاز میں اس جگہ جہاں اب مکہ واقع ہے، آباد کر گئے تھے۔ حضرتِ اسمٰعیلؑ نے بڑے ہو کر بنی جرہم میں شادی کی۔ اس سے ایک نئی قوم پیدا ہوئی جس کو عرب مستعربہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مستعربہ سے مراد ملی جلی قوم ہے۔ حضرتِ اسمٰعیلؑ کی اولاد حجاز میں خوب پھلی پھولی اور عرب کے موجودہ قبائل اسی نسل سے تعلق رکھتے ہیں ان کو بنی عدنان بھی کہتے ہیں۔ عدنان حضرتِ اسمٰعیلؑ سے چالیسویں پشت میں تھا۔ آلِ عدنان کی ایک شاخ بعد میں قریش کے نام سے مشہور ہوئی۔ حضرتِ محمدؐ اسی خاندانِ قریش میں پیدا ہوئے۔

باب ۲

ایّامِ جاہلیّت

نیا

اسلام سے پہلے عربوں کی سماجی، مذہبی اور سیاسی حالت

زمانۂ جاہلیت کے تاریخی مآخذ اسلام سے قبل عرب کی تاریخ کے مآخذ مندرجہ ذیل ہیں :-

۱- **زمانۂ جاہلیّت کی بعض تصنیفات** :- جو سلاطین غسان اور حیرہ کے کتب خانوں میں محفوظ تھیں اور جن سے بعد میں عرب مؤرخین نے فائدہ اٹھایا۔

۲- **زبانی روایات** :- عرب لوگ حافظہ کی تیزی کے لئے خاص طور پر مشہور ہیں۔ عرب کی جو قومیں قدیم زمانے میں مٹ چکی تھیں (مثلاً عاد، ثمود وغیرہ) ان کے متعلق عرب قبائل میں مختلف روایات مشہور تھیں۔ بعد میں مؤرخینِ اسلام نے عرب کی قدیم تاریخ مرتب کرنے میں ان روایات سے مدد لی۔

۳- **زمانہ جاہلیّت کی شاعری** :- شاعری عربوں کا قومی مشغلہ تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں کئی قصیدے اور نظمیں مشہور تھیں۔ جن میں پرانے سلاطین، مٹی ہوئی اقوام اور شہروں وغیرہ کا ذکر تھا۔

۴- **یورپ کے قدیم مؤرخین کے تذکرے** :- جن میں یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس مشہور جغرافیہ داں بطلیموس اور رومی سوانح نگار پلینی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان کی تصنیفات میں جابجا عرب اور اس کے باشندوں کے متعلق واقعات پائے جاتے ہیں۔

۵۔ آثارِ قدیمہ اور پرانے کتبے :۔ اسلام سے پہلے عرب کے بعض حصے مثلاً یمن وغیرہ انتہائی عروج پر رہ چکے تھے اور یہاں کئی سلطنتیں قائم تھیں۔ ملکہ بلقیس جس کا کہ قرآن مجید اور انجیل میں آیا ہے۔ اسی علاقے کی ایک سلطنت موسوم بہ سبا کی حکمران تھی۔ اور قدیم سلطنتوں کے آثار عرب کے مختلف علاقوں میں ملتے ہیں۔ ان آثار قدیمہ کی مدد سے عرب کی قدیم تہذیب و تمدن کے متعلق بہت سی معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں

ظہورِ اسلام سے پہلے عرب کی سماجی، مذہبی اور سیاسی حالت

الف : سماجی حالت اسلام سے پہلے عرب تمدنی لحاظ سے بہت پست تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ گو عربی زبان بہت وسیع ہے لیکن جن چیزوں کو تمدن اور معاشرت کی بنیاد کہا جا سکتا ہے ان کے لئے عربی زبان میں کوئی الفاظ نہیں بلکہ ایران یا روم سے مستعار لئے گئے ہیں (شبلی اوّل ۱۱۷) مثلاً چراغ کے لئے عربی میں کوئی لفظ نہ تھا اسی کو سراج بنا لیا۔ لوٹے کے لئے فارسی لفظ آب ریز کو ابریق بنا لیا گیا۔ اسی طرح تشت اور کاسہ عربی میں طشت اور کاس بن گئے۔ درہم اور دینار یونانی اور رومی الفاظ ہیں یہ جوں کے توں عربی میں لے لئے گئے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آن حضرتؐ کے زمانہ تک سامانِ عیش تو در کنار اسبابِ معاشرت کی ضروری چیزوں کا وجود تک نہ تھا۔ بخاری کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ کے زمانے تک رات کو گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے۔ اسی طرح ترمذی میں ہے کہ اس وقت چھلنیاں نہیں ہوتی تھیں۔ آٹا پھونکوں سے صاف کیا جاتا تھا۔ الغرض ظہورِ اسلام سے پہلے عربوں کی تمدنی حالت بہت پست تھی۔

چونکہ عرب میں بارش بہت کم ہوتی ہے۔ اس لئے کھیتی باڑی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بیشتر لوگوں کا واحد ذریعۂ معاش بھیڑ بکریاں اور اونٹ پالنا تھا۔ ظاہر ہے کہ جس قوم کی بسراوقات محض جانوروں کی پرورش پر ہو وہ خوش حال نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ہر وقت لوٹ مار کا بازار گرم رہتا تھا۔ ایک قبیلہ دوسرے پر حملہ کر کے اس کے مویشی چھین لیتا تھا۔ اس طرح جھگڑوں کا ایک مستقل سلسلہ قائم رہتا تھا۔ مویشی پالنے کے علاوہ بعض لوگوں کا پیشہ تجارت بھی تھا۔ یہ لوگ تجارت کے لئے یمن اور شام کو جایا کرتے تھے لیکن راستوں کی خرابی اور عام بدامنی کی وجہ سے تجارت کی راہیں بھی مسدود تھیں۔

لوٹ مار کے علاوہ عربوں میں اور بھی کئی عیوب تھے۔ جُوا کھیلنے کا عام رواج تھا اور شراب پینے کو فخر کی بات سمجھتے تھے۔ بدکاری اور بے حیائی بھی بہت عام تھی۔ بعض خاندانوں میں لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا بھی دستور تھا۔ ایک شخص کی کئی بیویاں ہوتی تھیں جو شخص جس قدر بڑا اور طاقت ور ہوتا تھا اس کی اتنی ہی زیادہ بیویاں ہوتی تھیں۔ باپ کے مرنے پر اس کی بیویاں بیٹوں میں تقسیم ہو جاتی تھیں اور وہ اپنی ماں کے سوا سب کو اپنی بیویاں بنا لیتے تھے۔ لڑائی میں لوگوں کو زندہ جلا دینا، عورتوں کی بے حرمتی کرنا اور معصوم بچوں کو تہ تیغ کرنا عموماً جائز سمجھا جاتا تھا۔

جہاں ان لوگوں میں اتنی بُرائیاں تھیں وہاں ان میں چند خوبیاں بھی تھیں۔ یہ لوگ تلوار کے دھنی ہوتے تھے۔ شجاعت اور دلیری میں بے مثل تھے۔ ایفائے عہد بہت بڑی خوبی سمجھی جاتی تھی، مہمان نوازی اور سخاوت ان کا خاصہ تھا۔

عام لین دین اور آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لئے عرب میں میلوں کا بھی عام رواج تھا۔ سال میں چار مہینے میلوں کے لئے مخصوص تھے۔ ان میلوں میں تمام قبائل کے لوگ جمع ہوتے تھے۔ اس لئے ان چار مہینوں میں لڑائی حرام سمجھی جاتی تھی۔ ان میلوں میں سب سے بڑا عکاظ کا میلہ تھا جو مکہ سے قریباً دس میل کے فاصلہ پر عکاظ کے مقام پر لگتا تھا اور بیس دن تک رہتا تھا۔ عکاظ کے میلے میں بڑے بڑے

چوٹی کے شاعر آکر اپنا کلام سناتے تھے۔ شاعری کے علاوہ شہسواری، تیراندازی شمشیر زنی اور پہلوانی کے مظاہرے بھی ہوتے تھے۔ گھوڑوں کی نمائش اور دوسرے کھیل تماشے بھی اس میلے کا لازمی جزو تھے۔ اس میلے میں چونکہ عرب کے تمام قبائل جمع ہوتے تھے اس لئے یہیں مختلف قبیلوں کے باہمی تنازعوں کا بھی فیصلہ ہوتا تھا۔

ب : مذہبی حالت

رسولِ اکرمؐ کی پیدائش سے پہلے عربوں کی مذہبی حالت بھی ابتر تھی۔ کہنے کو تو وہ حضرتِ ابراہیمؑ کی اولاد اور ان کے مذہب کے پیرو تھے لیکن مذہب ابراہیمی کی ان میں کوئی بات موجود نہ تھی۔ زیادہ تر لوگ بت پرست تھے۔ اور مختلف بتوں کو پوجتے تھے۔ سب سے زیادہ مشہور بُت لات، منات، عزٰی اور ہبل تھے۔ ہبل سب سے بڑا بت تھا جو کعبہ کی چھت پر نصب تھا۔ قریش لڑائی میں اُسی کی جے پکارتے تھے اور اسی کے نام کی قسم کھاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ خود کعبہ میں تین سو ساٹھ بُت رکھے ہوئے تھے۔

گو بُت پرستی بہت عام تھی۔ لیکن اس حالت میں بھی چند لوگ ایسے تھے۔ جن کا اللہ تعالےٰ پر اعتقاد تھا اور جنھوں نے بُت پرستی سے انحراف کر لیا تھا۔ ان میں سب سے نمایاں ورقہ بن نوفل تھے جو حضرتِ خدیجہؓ کے چچا زاد بھائی تھے۔ اخیر عمر میں یہ عیسائی ہوگئے تھے۔ بُت پرستی کے علاوہ عیسائیت، یہودیت اور مجوسیت (آتش پرستی) بھی مدت دراز سے عرب میں رائج ہو چکے تھے۔ بنی غسان اور بنی نجران عیسائی ہوگئے تھے۔ عرب میں عیسائیت اس درجہ ترقی کر چکی تھی کہ خود مکہ معظمہ میں ایسے لوگ موجود تھے (مثلاً ورقہ بن نوفل) جو عبرانی زبان میں انجیل پڑھ سکتے تھے (شبلی اوّل ۱۲۳)۔ عیسائیوں کے علاوہ یہودی بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ یثرب (مدینہ) اور خیبر یہودیوں کی خاص بستیاں تھیں۔ شمالی عرب کے بعض قبائل خصوصاً حیرہ

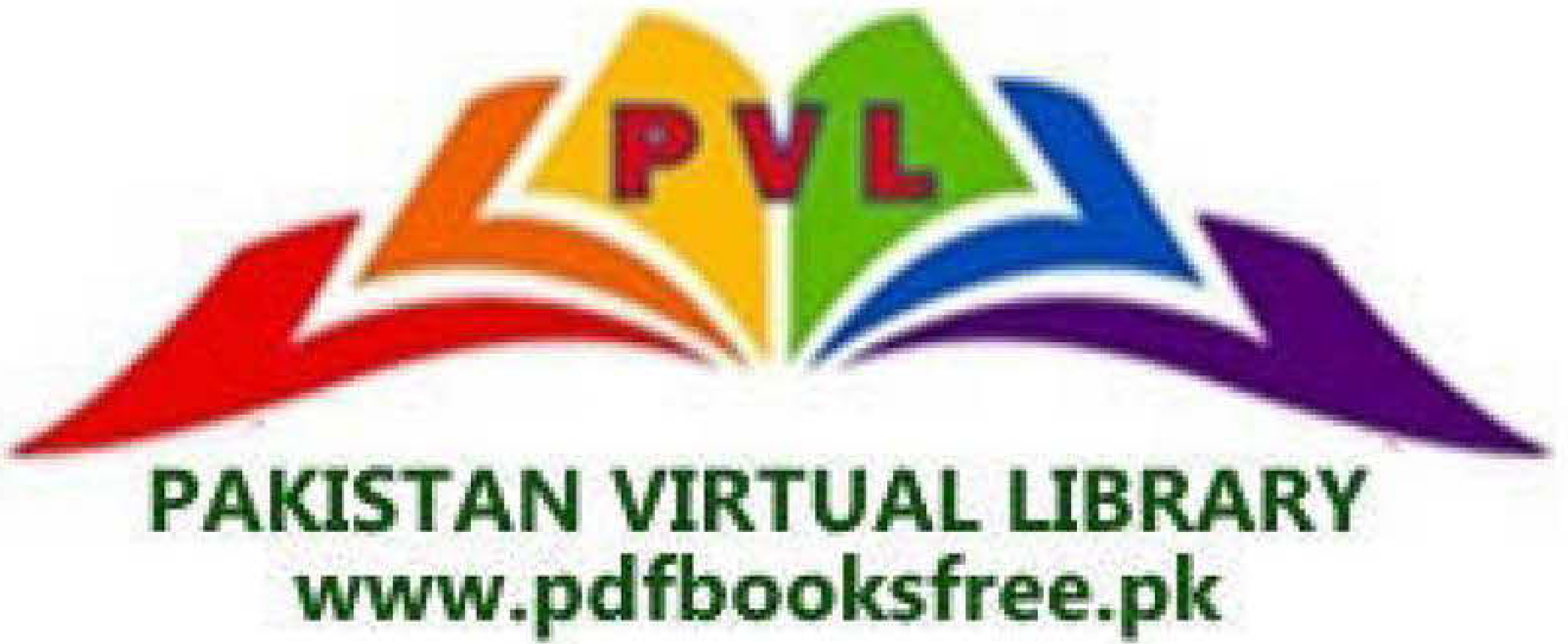
کے سلاطین ایرانی اقتدار کے زیرِ اثر زرتشتی مذہب کے پیرو ہو گئے تھے ۔ بتوں کو پوجنے کے ساتھ ساتھ کواکب پرستی کا بھی عام رواج تھا ۔ کئی قبیلے سورج ، چاند ، زہرہ ، مشتری وغیرہ کی پرستش کرتے تھے ۔

ج : سیاسی حالت

حضرت رسول اکرمؐ کی پیدائش کے وقت عرب کے لوگ مختلف قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے ۔ ان میں قریش کا قبیلہ کعبہ کا متولی ہونے کی وجہ سے بہت ممتاز تھا ۔ ہر قبیلہ چند خاندانوں کا مجموعہ ہوتا تھا ۔ اور ان کے نام اپنے کسی بزرگ کے نام پر ہوتے تھے ۔ ہر قبیلے کا سردار الگ ہوتا تھا ۔ اور اس کو قبیلے کے تمام افراد پر حاکمانہ اختیارات ہوتے تھے ان قبائل میں کوئی قانون نافذ نہ تھا ۔ ہر شخص "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" پر عمل کرتا تھا ۔ یہ لوگ ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہتے تھے ۔ اگر دو قبیلوں میں ایک مرتبہ جنگ چھڑ جائے تو یہ سلسلہ کئی نسلوں تک قائم رہتا تھا ۔ بسا اوقات یہ جنگیں چھوٹی چھوٹی باتوں پر شروع ہو جاتی تھیں ۔ مثلاً زمانہ جاہلیت کی ایک مشہور جنگ موسوم بہ جنگِ بسوس کسی شخص کی اونٹنی دوسرے کی چراگاہ میں جانے سے شروع ہوئی ۔ اسی طرح جنگِ داحس صرف اس بات پر شروع ہوئی کہ گھوڑ دوڑ میں جیتنے والے گھوڑے کو ہارنے والی پارٹی نے بدکا دیا تھا ۔

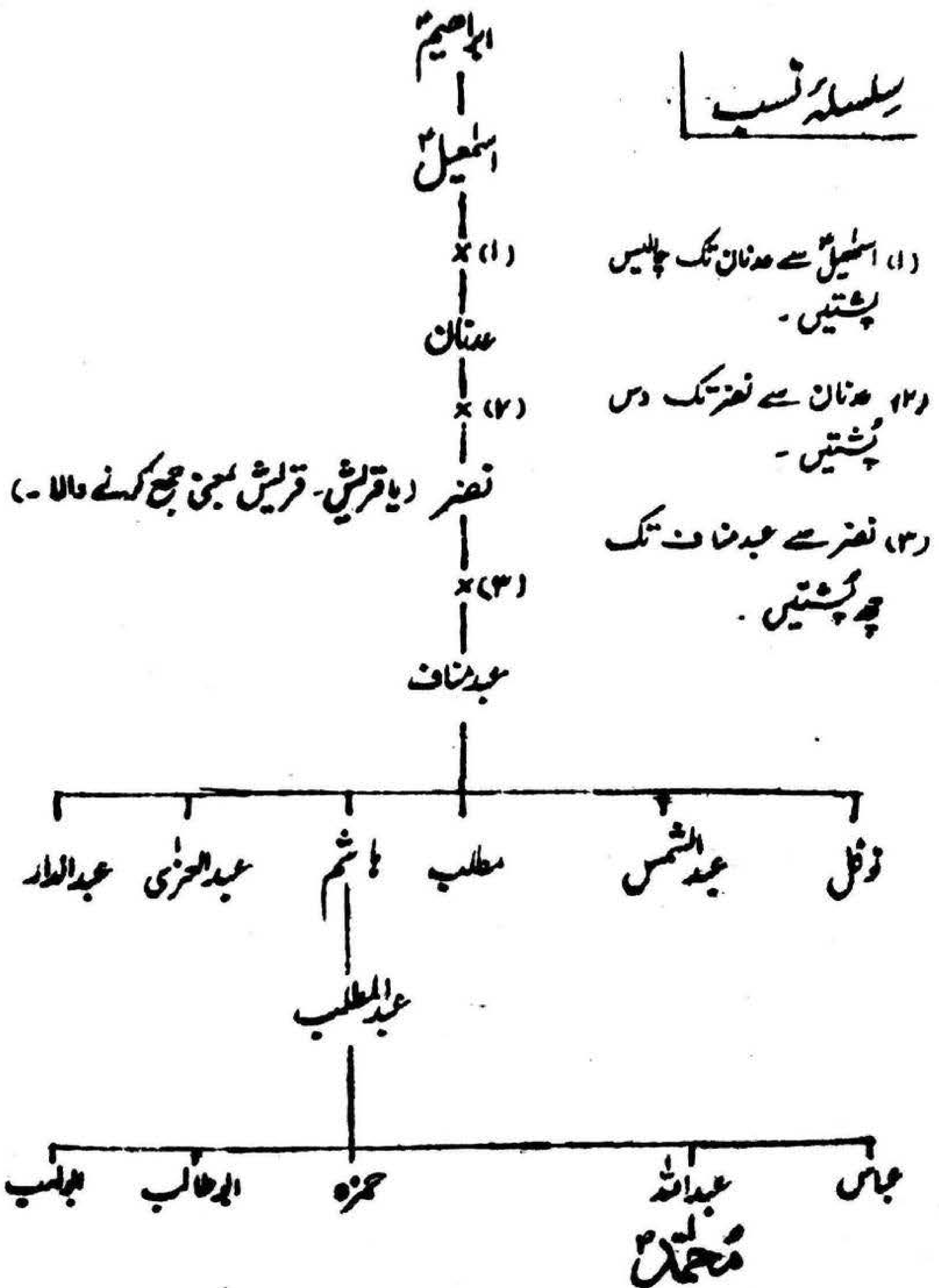
عرب کے تمام قبیلوں میں خاندانِ قریش کو خاص امتیاز حاصل تھا ۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ کعبہ جو تمام ملک کا دینی مرکز تھا ۔ اس کے متولی قریش تھے ۔ اس لئے عرب کے مرکزی شہر مکہ پر بھی انہی کا اقتدار تھا ۔ قریش کی بڑی بڑی شاخیں یہ تھیں : بنی ہاشم ، بنی امیہ ، بنی اسد ، بنی عدی ، بنی تیم ، وغیرہ ۔ کعبہ کی نگرانی کے سلسلہ میں ہر خاندان کے سپرد ایک الگ خدمت تھی ۔ مثلاً کعبہ کی حفاظت ۔ محافظِ کعبہ کے پاس کعبہ کی کنجی رہتی تھی اور وہی لوگوں کو اس کی زیارت کراتا تھا ۔ یہ منصب بنی ہاشم کے پاس تھا ۔ بنی ہاشم کے پاس سقایہ یا حج کے دنوں میں حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت بھی سپرد

تھی۔ بنی امیہ قریش کے خاندانی جھنڈے، جس پر عقاب کا نشان تھا، کے محافظ اور قریش کی فوجوں کے سپہ سالار تھے۔ بنی اسد دار الندوہ کے مہتمم تھے۔ دار الندوہ ایک مکان تھا جس میں قریش مشورے کے لئے جمع ہوتے تھے۔ گویا ندوہ قریش کی قومی اسمبلی تھی۔ ندوہ میں ہی جنگ، صلح اور دوسرے بڑے بڑے معاملات طے ہوتے تھے۔ اور قریش کی شادیاں بھی یہیں ہوتی تھیں۔ بنی عدی ار [illegible] پر مامور تھے۔ اس طرح قریش کے ہر خاندان کے سپرد کوئی نہ کوئی خدمت تھی اور اس وجہ سے قریش تمام قبائل میں سب سے ممتاز قبیلہ سمجھا جاتا تھا۔



باب ۳

آنحضرتؐ کی ولادت، بچپن اور جوانی ۔



سلسلۂ نسب

(۱) اسمٰعیلؑ سے عدنان تک چالیس پشتیں ۔

(۲) عدنان سے نضر تک دس پشتیں ۔

(۳) نضر سے عبد مناف تک چھ پشتیں ۔

عرب میں زمانۂ قدیم سے قریش کا خاندان بہت ممتاز چلا آتا تھا۔ اس خاندان کا مورثِ اعلیٰ عدنان تھا۔ جو حضرتِ اسمٰعیل سے چالیسویں پُشت میں تھا۔ عدنان کے جانشینوں میں جس شخص نے اس خاندان کو قریش کے لقب سے ممتاز کیا وہ نضر بن کنانہ تھے۔ لیکن سب سے پہلا شخص جس نے سیاسی اور مذہبی اقتدار حاصل کیا، وہ قصی بن کلاب تھا۔ اس کی شادی کعبہ کے متولّی حلیل خزاعی کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ حلیل نے مرتے وقت یہ منصب اپنے داماد قصی کے حوالے کر دیا اور اس طرح قریش کو تمام عرب پر مذہبی اقتدار حاصل ہوگیا۔ قصی کے پوتے ہاشم نے اس اقتدار میں اور اضافہ کیا۔ وہ کعبہ کے متوّلی ہونے کے علاوہ بہت بڑے تاجر تھے۔ انہوں نے قیصرِ روم اور شاہِ حبش سے عرب تاجروں کے لئے خاص مراعات حاصل کیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے مختلف قبائل سے یہ عہد کر لیا کہ قریش کے قافلوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ اس طرح انہوں نے اندرونِ ملک میں بھی تجارتی راستوں کو عام لوٹ مار سے محفوظ کیا۔

ہاشم کے بعد ان کے بیٹے عبدالمطلب (آنحضرتؐ کے دادا) کعبہ کے متولی مقرّر ہوئے۔ یہ بھی بہت بڑے تاجر تھے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے چاہِ زمزم کا جو گرد و غبار کی وجہ سے گم ہوگیا تھا دوبارہ پتہ لگایا۔ اور اس کو درست کیا۔ ان کے زمانے کا سب سے مشہور واقعہ ابرہہ حاکمِ یمن کی کعبہ پر چڑھائی ہے۔ ظہورِ اسلام سے کچھ عرصہ پہلے حبش والوں نے یمن پر قبضہ کر لیا تھا۔ ابرہہ حبش کے بادشاہ کی طرف سے یمن کا گورنر ہو کر آیا۔ اس نے اپنے دار الحکومت میں ایک عالیشان گرجا تعمیر کروایا اور عربوں کو ترغیب دی کہ وہ کعبہ کا حج کرنے کی بجائے اس گرجا کا حج اور طواف کیا کریں۔ عرب کے اکثر قبائل نے ابرہہ کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ ابرہہ کو غصّہ جو آیا تو اس نے کعبہ کو مسمار کرنے کی ٹھانی اور ایک لشکرِ جرار کے ساتھ جس میں چند ہاتھی بھی تھے، مکّہ پر حملہ کر دیا۔ جب وہ مکّہ کے

قریب پہنچا تو اس کے سپاہیوں نے اہلِ مکہ کا کچھ سامان لوٹ لیا۔ جن میں عبدالمطلب کے چند اونٹ بھی تھے۔ عبدالمطلب اپنے اونٹوں کو چھڑانے کے لئے ابرہہ کے دربار میں چلے گئے اور ابرہہ سے اپنے اونٹ واپس دلوانے کی درخواست کی۔ ابرہہ نے حیران ہوکر پوچھا کہ تمہیں اپنے اونٹوں کی فکر ہے۔ مگر کعبہ کی فکر نہیں؟ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں، اس لئے مجھے ان کی فکر ہے۔ جو کعبہ کا مالک ہے وہ اس کی حفاظت خود کرے گا۔ ابرہہ یہ سُن کر چُپ ہوگیا اور عبدالمطلب کے اونٹ واپس کردئے۔

ابرہہ کے دربار سے واپس آکر عبدالمطلب کعبہ میں گئے اور اس کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر اللہ تعالےٰ سے اس کی حفاظت کی دُعا مانگی اور پھر اہلِ مکہ کو لے کر آس پاس کی پہاڑیوں میں چُھپ گئے۔ اللہ تعالےٰ نے عبدالمطلب کی دُعا قبول فرمائی۔ جب ابرہہ کا لشکر کعبہ کو مسمار کرنے کے لئے آگے بڑھا تو یکایک آسمان پر ہزاروں ابابیلیں بادلوں کی طرح چھاگئیں، ان کی چونچوں اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں، انہوں نے یہ کنکریاں ابرہہ کے لشکر پر برسانی شروع کردیں۔ جس کسی کو یہ کنکریاں لگیں وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ اس طرح ابرہہ کی ساری فوج تتر بتر ہوگئی۔ اس واقعہ کا ذکر قرآنِ کریم میں بھی ہے عربوں نے اس آسمانی معجزے کو کبھی آنے والے مبارک واقعہ کا نیک شگون قرار دیا۔ اس کے ایک سال بعد آنحضرتؐ پیدا ہوئے۔

رسُولِ اکرمؐ کی ولادت اور بچپن

عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے جن میں سے پانچ کسی نہ کسی وجہ سے مشہور ہوئے۔ یعنی ابولہب، ابوطالب، حمزہ، عباس اور عبداللہ چونکہ عبداللہ سب سے چھوٹے تھے، اس لئے عبدالمطلب ان کو بہت پیار کرتے تھے۔ عبداللہ کی شادی آمنہ بنت وہب سے ہوئی۔ وہب قریش ہی کا ایک معزز رکن تھا۔ حضرت آمنہؓ اپنی سیرت اور صورت کے لحاظ

سے قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز تھیں۔ شادی کے چند مہینوں کے بعد عبداللہ تجارت کی غرض سے شام گئے۔ واپسی پر مدینہ ٹھہرے اور وہیں کچھ دن بیمار رہ کر فوت ہو گئے۔

اپنے والد کی وفات سے دو مہینے بعد ۵۷۱ء یا سنہ ہجری سے ۵۲ سال پہلے ۱۲ ربیع الاول کو پیر کے دن رسولِ اکرمؐ پیدا ہوئے۔ دادا نے آپؐ کا نام محمدؐ رکھا۔ حضورؐ کی پیدائش کے متعلق بہت سے معجزے بیان کیے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جس رات آپ پیدا ہوئے، اسی رات نوشیروان کے محل کے چودہ کنگرے گر پڑے، آتش کدہ ایران ٹھنڈا ہو گیا اور کعبہ کے بت اوندھے جا پڑے۔ آپ کی پیدائش کے وقت عبدالمطلب کعبہ میں تھے۔ وہاں انہوں نے صفا اور مروہ (مکہ کے نزدیک دو پہاڑیاں) کو لرزتے دیکھا۔ اس زمانے میں عرب شرفا کا دستور تھا کہ وہ اپنے شیر خوار بچوں کو قریب کے دیہات میں بھیج دیا کرتے تھے۔ تاکہ وہ بدوؤں میں پل کر عربوں کی قومی خصوصیات کو اخذ کر سکیں اور ساتھ ہی صحیح عربی بولنے میں بھی مہارت حاصل کر سکیں۔ (شبلی اول ۱۷۲) چنانچہ اس دستور کے مطابق حضورؐ کو قبیلہ بنی سعد کی ایک عورت حلیمہ کے حوالے کر دیا گیا۔ مورخین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آپؐ دائی حلیمہ کے ہاں کتنا عرصہ رہے۔ اغلب یہ ہے کہ یہ مدت زیادہ سے زیادہ چار سال ہوگی۔ روایت ہے کہ دائی حلیمہ کے گھر آپؐ کی موجودگی سے عجیب برکتوں کا ظہور ہوا۔ آپؐ کے آنے سے پیشتر دائی حلیمہ کا گھر قبیلہ بھر میں سب سے زیادہ غریب گھر تھا۔ آپؐ کی برکت سے چند دنوں میں دائی حلیمہ کی کایا پلٹ گئی اور اب فارغ البالی کا دور دورہ شروع ہوا۔ چار سال کے بعد دائی حلیمہ آپؐ کو آپؐ کی والدہ آمنہؓ کے سپرد کر گئیں۔ جب آپؐ کی عمر چھ سال کی ہوئی تو حضرت آمنہؓ آپؐ کو لے کر مدینہ گئیں، واپسی پر راستہ ہی میں بیمار ہو کر فوت ہو گئیں۔

سفر شام
دیکھئے دوسرے
تقابلتی پیغمبر صلعم
کو خدا نے شام کی
مملکتوں میں تجارت کا نظارہ
بخشا تاکہ آگے چل کر
وہ تجربے سے بتلا سکے

حضرت آمنہؓ کی وفات کے بعد آپؐ کی پرورش کا فخر آپؐ کے دادا عبدالمطلب کو حاصل ہوا۔ دو سال کے بعد آپؐ کے دادا کا بھی انتقال ہو گیا۔ عبدالمطلب نے مرتے وقت آپؐ کو آپؐ کے حقیقی چچا ابوطالب کے سپرد کیا۔ ابوطالب آپؐ کے ساتھ بہت شفقت سے پیش آتے تھے۔ جدھر جاتے آپؐ کو ساتھ لے جاتے۔

ابوطالب بھی اپنے باپ دادا کی طرح تاجر تھے اور سال میں ایک آدھ دفعہ تجارت کی غرض سے شام جایا کرتے تھے۔ جب آپؐ کی عمر قریباً بارہ سال کی تھی تو اس مرتبہ آپؐ کے اصرار پر ابوطالب آپؐ کو اپنے ہمراہ سفر شام پر لے گئے۔ جب ابوطالب کا قافلہ شام کے سرحدی شہر "بصراہی" (یہ وہ بصرہ نہیں جو بغداد کی بندرگاہ ہے) میں پہنچا تو وہاں ان کی ملاقات ایک عیسائی راہب بحیرہ سے ہوئی۔ بحیرہ نے آپؐ کے چچا ابوطالب کو بتلایا کہ آپؐ میں نبوت کی نشانیاں ہیں اور ان کو مشورہ دیا کہ وہ آپؐ کو لے کر واپس لوٹ جائیں۔ کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں یہودی آپ کو قتل نہ کر دیں۔ چنانچہ ابوطالب وہیں سے واپس مکہ لوٹ آئے۔

پندرہ برس کی عمر میں آپؐ نے ایک جنگ میں بھی حصہ لیا جس کو جنگِ فجار کہتے ہیں یہ جنگ قریش اور ایک اور قبیلے بنی قیس کے درمیان ہوئی چونکہ اس میں خاندان کی عزت کا معاملہ تھا اس لئے اس جنگ میں قریش کے تمام افراد نے حصہ لیا۔ چونکہ آپؐ کی عمر چھوٹی تھی۔ اس لئے آپؐ ہتھیار بند ہو کر نہیں لڑے بلکہ صرف اپنے چچاؤں کو تیر وغیرہ پکڑاتے رہے۔ اس قسم کی جنگوں کو روکنے کے لئے آپؐ کے ایک چچا زبیر کی تحریک پر مختلف قبائل میں ایک معاہدہ ہوا جسے حلف الفضول کہتے ہیں۔ اس کا نام حلف الفضول اس لئے ہے کہ اس معاہدہ میں شرکت کرنے والوں کے نام کا ایک جزو فضیل تھا (عربی میں فضیل کی جمع فضول ہے) آپؐ بھی اس معاہدہ کی تکمیل میں پیش پیش تھے۔

ابوطالب حقیقی چچا نے پرورش اپنے ذمہ لی۔
اور واپس لوٹ آئے۔ آپؐ چچا کے ہمراہ تجارت میں ... تجارت کا بغور مطالعہ کرتے تھے۔ یہ پیغمبر کی نشانی ہیں۔ راہب بحیرہ کا دعویٰ تھا۔
جنگ کا حصہ ہو آپؐ نے گذارا۔ ... اعتبار ... حاصل ہے۔ یہ جنگ ... تھا۔ "حلف الفضول" ... کا نامہ تھا۔ ... قبائل کو ... کو سمجھ سکیں۔

آپؐ بچپن ہی سے راستباز، خوش خلق اور بات کے پکے تھے۔ رفتہ رفتہ آپؐ کی شرافت، خوش اخلاقی، راستبازی اور ایمان داری کا اتنا چرچا ہوا کہ شہر کے لوگوں نے نقدی اور زیورات وغیرہ آپؐ کے پاس جمع کرانے شروع کر دئے۔ آپؐ ان امانتوں کی پوری پوری حفاظت کرتے اور مانگنے پر فوراً جوں کی توں لوٹا دیتے۔ اس طرح آپؐ امین کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

آپؐ کے راست باز اور امین ہونے کی شہرت کو سن کر مکّہ کی ایک مالدار بیوہ خدیجہؓ نے، جو اپنے کارندوں کے ذریعہ سے تجارت کرتی تھی، آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ اس کا مالِ تجارت لے کر شام جائیں۔ آپؐ نے اس پیشکش کو قبول کر لیا اور اس تجارتی مہم میں آپؐ کو بہت سا نفع ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس دوسرے سفرِ شام میں آپؐ کی ملاقات ایک اور عیسائی راہب نسطورا سے ہوئی۔ نسطورا نے بھی آپؐ میں نبوّت کی نشانیاں دیکھیں اور آپؐ کی رسالت کی پیشین گوئی کی۔ خدیجہؓ نے آپؐ کو ہر معاملہ میں ایماندار اور راست باز پا کر اپنا تمام کاروبار آپؐ کے حوالے کر دیا۔ اور بالآخر آپؐ سے شادی کی درخواست کی، جسے آپؐ نے منظور فرما لیا۔ اُس وقت آپؐ کی عمر پچیس برس کی تھی اور خدیجہؓ چالیس برس کی تھیں۔ خدیجہؓ کے بطن سے دو لڑکے اور چار لڑکیاں ہوئیں۔ جب تک خدیجہؓ زندہ رہیں آپؐ نے دوسری شادی نہ کی۔

جب آپؐ پینتیس سال کے تھے تو کعبہ میں آگ لگ گئی اور اس کی تمام عمارت جل کر خراب ہو گئی۔ چونکہ کعبہ سبھی کے لئے مقدّس تھا، اس لئے تمام عرب قبائل نے اس کی تعمیر میں حصّہ لیا۔ عمارت جب بن گئی تو حجرِ اسود کے نصب کرنے کا وقت آیا۔ اس پر جھگڑا ہو گیا۔ ہر قبیلے کا سردار یہی چاہتا تھا کہ یہ سعادت اسی کو نصیب ہو۔ عنقریب تھا کہ اس بات پر تلواریں کھنچ جائیں۔ لیکن آخر کار یہ طے ہوا کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے حرم میں داخل ہو، اسے ثالث مان لیا جائے اور اسی کے فیصلے پر عمل کیا جائے۔ اتفاق سے دوسرے دن حرم میں

سب سے پہلے داخل ہونے والے شخص آپؐ تھے۔ آپؐ نے اپنی چادر بچھائی اور حجرِ اسود کو اس کے درمیان رکھ کر حکم دیا کہ ہر قبیلے کا ایک ممتاز شخص اس کے کنارے کو تھامے اور اس طرح سب مل کر اس کو اٹھائیں۔ جب حجرِ اسود اپنی جگہ پہ پہنچ گیا تو آپؐ نے اسے اٹھا کر اس کے صحیح مقام پہ نصب کر دیا۔ اس طرح ایک خون ریز جنگ آپؐ کے حسنِ تدبر اور معاملہ فہمی سے ٹل گئی ورنہ نہ جانے کتنا خون خرابہ ہوتا۔ ||

آج کل کیونکہ
ایسا ہو رہا ہے۔
غلافِ کعبہ کا
واقعہ 1963ء کا ہے۔
جبکہ سعودی عرب
نے مصر حکومت کے
برخلاف پاکستان حکومت
سے بنوا لیا تھا۔ اور اس طرح
وہ روایات جو سالہا سال سے
مصر سے وابستہ تھے توڑ دیئے۔
حکومت سعودی عرب اس بارے میں
غلطی پر ہے اور ذاتی انتقام
پر مبنی ہے۔ حالانکہ یہ ایک
فریضۂ اسلامی میں ثواب
کے حق میں تھا۔ ذاتی انتقام
اور سیاسی گٹھ جوڑ کے مبارک
میں [illegible] ہونا چاہئے تھا۔ غلافِ کعبہ
بالکل مصر کا حق ہے سنا ہے کہ
وہ برابر بنواتا جا رہا ہے اور [illegible]
کرتا جا رہا ہے۔ اور متفق اللہ
[illegible] کعبہ کی زینت ہو جائیں گے۔

(مطالعۂ تاریخ از [illegible])
المرقوم 15-5-63

باب ۴

نبوّت سے ہجرت تک

مصائب کا دَور

شرفِ نبوّت اس سے پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو بُت پرستی سے نفرت کرتے تھے۔ اُن میں سے آپؐ بھی تھے۔ نبوت کی پہلی منزل اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ سیرت ہے۔ بچپن سے آپؐ میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو ایک اعلیٰ سیرت کی خصوصیت ہیں۔ آپؐ کے دشمن بھی آپؐ کی راست بازی، ایمانداری شرافت اور خوش خلقی کی قسم کھاتے تھے اور انہی خوبیوں کی وجہ سے آپؐ تمام مکہ میں "امین" کے لقب سے مشہور تھے۔ حضرتِ خدیجہؓ سے شادی کے بعد آپؐ کا اچھا خاصا کاروبار تھا، آپؐ دنیوی معاملات میں اُلجھے رہتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود جُوں جُوں وقت گزرتا گیا، آپؐ زیادہ تنہائی پسند ہوتے گئے۔ مکہ سے تین میل دُور ایک غار "حرا" کے نام سے مشہور ہے، آپؐ کھانے پینے کا کچھ سامان لے کر وہاں چلے جاتے اور کئی دن تک یادِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ جُوں جُوں نبوت کا زمانہ قریب آتا گیا، آپؐ کی یہ غور و فکر کی عادت ترقی کرتی گئی۔ ایک دن آپؐ حسبِ معمول عبادتِ الٰہی میں مصروف تھے کہ ایک فرشتہ نظر آیا جو آپؐ سے کہہ رہا تھا: "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ" آپؐ اس عجیب و غریب واقعہ سے خوف زدہ ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد جلالِ الٰہی سے

لبریز لرزتے کانپتے گھر آئے اور لیٹ گئے اور حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ مجھے کمبل اوڑھا دو۔ اس کے بعد آپ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ وہ آپ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو عیسائی ہوگئے تھے اور توریت، انجیل وغیرہ سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے سارا واقعہ سن کر کہا کہ یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرتِ موسےٰ کے پاس بھی آیا کرتا تھا معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب آپؐ کو منصب نبوت عطا ہونے والا ہے۔ اس وقت آپؐ کی عمر چالیس سال تھی۔ یہی نبوت کی ابتدا تھی۔ اس کے بعد آپؐ پر متواتر وحی آنی شروع ہوگئی اور آپؐ نے تبلیغ و ہدایت کا کام شروع کر دیا۔ آپؐ نے سب سے پہلے ان لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچایا جن کے دل شروع سے نیکی کی طرف مائل تھے یا جو عرصہ تک آپؐ کی صحبت سے فیض یاب ہوچکے تھے۔ سب سے پہلے حضرتِ خدیجہؓ ایمان لائیں۔ اس کے بعد حضرتِ علیؓ اور آپؐ کے آزاد کردہ غلام زید نے اسلام قبول کیا۔ دوستوں میں سب سے پہلے حضرتِ ابوبکرؓ کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔

(۱) میدانِ صفا میں پہلا خطبہ ۳ نبوی

تین برس تک آپؐ نے نہایت خاموشی سے دعوت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ مگر اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ اسلام کو برملا پیش کیا جائے۔ آپؐ نے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سب لوگوں کو کوہِ صفا (مکہ کے نزدیک ایک پہاڑی) کے دامن میں اکٹھا کیا، اور فرمایا کہ "اگر میں کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے دشمن کا لشکر ہے تو تم یقین کرلوگے؟"۔ سب نے یک زبان ہوکر کہا کہ "ہاں۔ کیونکہ تم ہمیشہ سچ بولتے ہو"۔ آپؐ نے فرمایا "تو تم یقین جانو کہ اگر تم نے اپنے بُرے افعال سے توبہ نہ کی۔ تو تم پر شدید عذاب نازل ہوگا"! یہ سُن کر سب لوگ برہم ہوئے۔

(۲) قریش کی مخالفت کے اسباب

جب آپؐ نے کھلم کھلا اسلام کی تبلیغ شروع کردی تو بہت سے لوگ

آپؐ کے مخالف ہو گئے۔ ان میں آپؐ کے چچا ابولہب اور ایک اور قریبی رشتہ دار ابو جہل پیش پیش تھے۔ قریش کی مخالفت کے اسباب مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ اسلام کے وجود سے قریش کے آبائی مذہب یعنی بُت پرستی کی توہین ہوتی تھی۔

۲۔ قریش کو کعبہ کا متولّی ہونے کی حیثیت سے تمام عرب پر مذہبی اقتدار حاصل تھا۔ اسلام کو وہ اس اقتدار کے لئے مستقل خطرہ سمجھنے لگے۔ جن لوگوں کو سب سے زیادہ نقصان کا احتمال تھا وہ اتنے ہی زیادہ مخالف تھے۔

۳۔ قریش کو ابرہہ کے کعبہ پر حملہ کرنے کی وجہ سے عیسائیت سے قدرتی طور پر نفرت ہو گئی تھی۔ چونکہ اسلام اور عیسائیت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں، اِس وجہ سے وہ اسلام کے بھی مخالف ہو گئے۔

۴۔ اس وقت بنی ہاشم اور بنی امیہ میں سخت رقابت تھی۔ عبدالمطلب تک سیاسی اور مذہبی اقتدار بنی ہاشم کے ہاتھ میں رہا۔ مگر عبدالمطلب کے بعد یہ اقتدار بنی امیّہ کے ہاتھ میں چلا گیا۔ آنحضرتؐ کی نبوّت کو بنی امیّہ اپنے رقیب بنی ہاشم کی فتح خیال کرنے لگے ان کو ڈر تھا کہ بنی ہاشم نبوّت کی مدد سے اپنا کھویا ہوا اقتدار پھر نہ حاصل کر لیں (شبلی اوّل ۲۱۳ تا ۲۱۹)

۵۔ قریش کے ممتاز روٴسا میں بہت سی اخلاقی خرابیاں تھیں۔ قرآنِ پاک میں ان کے متعلق واضح اشارے موجود ہوتے تھے، گو نام نہیں ہوتا تھا مگر سب لوگ سمجھ جاتے تھے کہ یہ لوگ کون ہیں۔ قریش کے سردار اپنی بُرائیوں کی گرفت پر سخت ناراض تھے اور حق کی آواز کو دبانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔

جب حق کی آواز بلند ہوئی تو پہلے تو ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے آپؐ کی ہنسی اُڑائی۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ آپؐ بے وقار ہو جائیں اور کوئی آپؐ کی بات نہ سُنے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ آپؐ اپنے فرض کی ادائیگی سے باز نہیں آتے تو وہ شرارت پر اُتر آئے۔ چونکہ وہ اور دوسرے کئی قریشی سردار آپؐ کے ہمسایہ تھے، اس لئے وہ طرح طرح سے آپؐ کو تنگ کرنے لگے۔ کبھی

آپؐ کی راہ میں کانٹے بچھاتے، کبھی نماز پڑھتے وقت شور و غل کرتے کبھی آپؐ کی گردن میں چادر ڈال کر کھینچتے۔ کبھی بچوں کو پیچھے لگا دیتے تاکہ لوگ دیوانہ سمجھیں۔

قریش کے وفود

جب انہوں نے دیکھا کہ آپؐ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا تو انہوں نے لالچ دے کر کام نکالنا چاہا اور اس مقصد کے لئے ایک معزز قریشی سردار عتبہ بن ربیعہ کو آپؐ کے پاس بھیجا۔ اس نے آپؐ کو دولت، منصب، سرداری، کسی اُونچے گھرانے میں شادی، غرض سبھی لالچ دیئے۔ آپؐ نے اس کے جواب میں قرآنِ پاک کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ عتبہ واپس گیا تو اس کی حالت ہی کچھ اور تھی اس نے اپنے ساتھیوں کو سمجھایا کہ وہ آپؐ سے تعرض نہ کریں۔ مگر انہوں نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا۔

جب یہ حربہ بھی کارگر نہ ہوا تو قریش کا ایک وفد آپؐ کے چچا ابوطالب کے پاس آیا اور کہا کہ اپنے بھتیجے کو سمجھاؤ یا تم درمیان میں سے ہٹ جاؤ، تاکہ ہم اس سے خود نپٹ لیں۔ ابوطالب یوں تو بڑے دل گردے کے مالک تھے، مگر اب انہوں نے سمجھا کہ کفار واقعی سختی پر اُتر آئے ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ تنہا تمام اہلِ قریش کے ساتھ لڑنے کی ہمت نہیں اس لئے انہوں نے آپؐ کو بلا کر کہا کہ :-

"اے محمدؐ! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ میں برداشت نہ کر سکوں۔"

آپؐ کو یہ جان کر افسوس ہوا کہ اب چچا بھی ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ مگر آپؐ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی اور آپؐ نے فرمایا کہ "اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند بھی رکھ دیا جائے تو میں اپنے فرض کی ادائیگی سے باز نہ آؤں گا۔" آپؐ کی ہمت اور استقلال نے ابوطالب کو بہت متاثر کیا اور وہ کہنے لگے کہ "اچھا بیٹا! تم اپنا کام کئے جاؤ۔ جب تک میں زندہ ہوں کوئی تمہاری طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھے گا۔" — اس طرح یہ وفد بھی ناکام واپس گیا۔

غریب مسلمانوں پر ظلم

جب قریش کی یہ آخری تدبیر بھی ناکام ہوئی تو وہ اور زیادہ سختی پر اُتر آئے۔ وہ آنحضرتؐ پر بھی جو کچھ ان کے بس میں تھا کر گزرتے تھے۔ مگر اب ان کی سختیوں کا شکار خاص طور پر وہ لوگ بنے جو بے یار و مددگار تھے۔ ان میں حضرتِ بلالؓ حبشی، حضرت عمارؓ بن یاسر، حضرتِ صہیبؓ رومی اور حضرتِ خباب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ کفار ان پر طرح طرح کے ظلم کرتے۔ کبھی تپتی دھوپ میں عرب کی ریتلی زمین پر لِٹا دیتے اور چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں۔ کبھی گرم لوہے سے جسم داغ دیتے۔ کبھی گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹتے۔ کبھی دہکتے ہوئے کوئلوں کا بستر بنا کر ان پر لٹاتے اور خود اوپر بیٹھتے تاکہ ہلنے نہ پائیں۔ لیکن یہ تمام ظلم وستم ان میں سے ایک مسلمان کے ایمان کو بھی متزلزل نہ کر سکا حالانکہ ان میں سے کچھ تو غلام تھے۔ کچھ غریب الوطن یا وہ لوگ جن کی پشت پر کوئی نہ تھا۔

ہجرت حبش ۵ھ اور ۶ھ نبوی

جب کفارِ مکہ کے ظلم کی انتہا ہوگئی تو آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ حبش (عرب سے متصل شمالی افریقہ کا ایک ملک) ہجرت کر جائیں۔ حبش سے عربوں کے پرانے تعلقات تھے اور وہ اس کے حالات سے واقف تھے۔ اس وقت اس ملک کا فرمانروا ایک نیک دِل عیسائی تھا جسے عرب نجاشی کہتے تھے۔ اس کے عدل وانصاف کی دُور دُور تک شہرت تھی۔ آخر کار نبوت کے پانچویں سال گیارہ مرد اور چار عورتوں کا مختصر سا قافلہ خدا کے نام پر اپنا سب کچھ قربان کرتا ہوا حبش کی طرف روانہ ہوگیا۔ ان میں آپؐ کے داماد حضرتِ عثمانؓ بھی شامل تھے۔ چونکہ یہ لوگ تعداد میں بہت کم تھے اس لئے تین مہینے ٹھہرنے کے بعد واپس آگئے۔

دو سال بعد جب مسلمانوں کی تعداد کافی ہوگئی اور قریش کی سختیوں میں

کوئی کمی نہ ہوئی تو آپؐ نے دوبارہ ہجرت کا حکم دیا۔ اس دفعہ ہجرت کرنے والوں کی تعداد ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں تھیں۔ اس قافلے کے سردار حضرت علی رضؓ کے بھائی جعفر بن ابو طالب تھے۔ کفار کو جب یہ خبر ملی کہ حبش کا بادشاہ مسلمانوں کے ساتھ نرمی اور شرافت سے پیش آتا ہے تو انہیں یہ بات بہت ناگوار گزری اور اس کا سدِ باب کرنے کے لئے نجاشی کے پاس دو آدمیوں پر مشتمل ایک سفارت بھیجی گئی۔ اس سفارت نے تحفے تحائف پیش کرنے کے بعد نجاشی سے درخواست کی کہ وہ مہاجرین کو کفار کے حوالے کر دے۔ نجاشی نے کہا کہ میں جب تک ان لوگوں کا جواب نہ سُن لوں، تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد اس نے مسلمانوں کو دربار میں بلایا اور کفار کے عائد کردہ الزامات کا جواب مانگا۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرتِ جعفر بن ابو طالب کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ایک مختصر سی تقریر کی کہ اے بادشاہ! ہم ایک جاہل قوم تھے۔ بتوں کی پُوجا کرتے تھے۔ آپس میں لڑتے کٹتے رہتے تھے، مختلف قسم کی بُرائیوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ آخر اللہ تعالیٰ کو ہماری حالت پر رحم آیا اور اس نے ہمارے درمیان ایک نبی بھیجا اس نے ہمیں تعلیم دی کہ بتوں کی پُوجا نہ کریں۔ سچ بولیں۔ آپس میں میل ملاپ سے رہیں۔ بُرے اعمال سے بچیں۔ نمازیں پڑھیں، روزے رکھیں۔ ہم اُس نبی پر ایمان لے آئے اور اس کی تعلیم کو قبول کر لیا۔ بس یہی ہمارا جرم ہے۔ نجاشی پر اس تقریر کا بہت اثر ہُوا اور کہا کہ تمہارے نبی پر جو خدا کا کلام اُترا ہے اس کا کچھ حصّہ سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے موقعہ کی مناسبت سے سورۂ مریمؑ کا کچھ حصّہ سنایا۔ قرآنِ کریم کا معجزنما کلام سُن کر نجاشی نے کہا کہ "قرآن اور انجیل ایک ہی چراغ کی دو روشنیاں معلوم ہوتی ہیں"۔ اس طرح قریش سفرِ حبش سے ناکام واپس آئے۔

(۶)

حضرتِ حمزہؓ اور حضرتِ عمرؓ کا ایمان لانا

۶ سنہ نبوی

حضرت حمزہؓ آپؐ کے چچا تھے اور آپؐ سے صرف دو تین سال ہی بڑے تھے۔ اس لئے آپؐ کے ہمجولی تھے اور انہیں آپؐ سے بہت محبت تھی۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ بہت عجیب ہے۔ ایک دن ابوجہل آپؐ کے ساتھ بہت گستاخی سے پیش آیا اور آپؐ کو ایک پتھر دے مارا جس سے آپؐ کی پیشانی لہو لہان ہو گئی۔ حضرتِ حمزہؓ کا معمول تھا کہ ہر روز صبح شکار کو نکل جاتے اور شام کو واپس آتے۔ اس دن جب وہ گھر واپس آئے تو انہیں اس حادثے کا تمام حال معلوم ہوا۔ غصہ سے بے تاب ہو گئے اور اسی حالت میں حرم پہنچے جہاں ابوجہل موجود تھا۔ انہوں نے جاتے ہی کمان ابوجہل کے سر پر دے ماری جس سے اس موذی کا سر زخمی ہو گیا۔ تمام لوگ ہکا بکا رہ گئے۔ حضرت حمزہؓ نے اعلان کر دیا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں چونکہ وہ بہت بہادر اور جری آدمی تھے، اس لئے ان کے ایمان لانے سے مسلمانوں کو بہت تقویت ہوئی۔

اس واقعہ کے کچھ دن بعد حضرتِ عمرؓ بھی اسلام لے آئے، ان کے اسلام لانے کا واقعہ اس سے بھی عجیب تر ہے۔ کفارِ مکہ میں دو آدمی بہت دبدبے کے تھے ایک ابوجہل اور دوسرے حضرتِ عمرؓ۔ جب مخالفین اسلام کی سختیاں انتہا کو پہنچ گئیں تو آپؐ نے دعا مانگی کہ "اے اللہ! عمر ابن الخطاب یا ابوجہل دونوں میں سے کسی ایک کو اسلام کی توفیق بخش، تاکہ اسلام کو قوت حاصل ہو۔" یہ دعا بارگاہِ خداوندی میں قبول ہوئی اور یہ سعادت حضرتِ عمرؓ کے حصے میں آئی۔

حضرتِ عمرؓ اسلام لانے سے پیشتر اسلام کے بدترین مخالفوں میں سے تھے۔ ان کی ایک کنیز مسلمان ہو گئی تھی وہ اسے بے تحاشا مارتے اور

جب مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے ذرا دم لے لوں پھر ماروں گا۔
ان کے خاندان کے ایک رکن نعیم بن عبداللہؓ مسلمان ہو گئے۔ جب انہیں معلوم ہؤا تو اس قدر برہم ہوئے کہ (نعوذ باللہ) آنحضرتؐ کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ تلوار لگا کر باہر نکلے تو ان کی نعیم سے ملاقات ہو گئی۔ پوچھا: "خیریت ہے؟" — حضرت عمرؓ بولے کہ آج محمدؐ کا فیصلہ کرنے جا رہا ہوں۔ نعیم نے کہا کہ "پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو۔ تمہارے بہن اور بہنوئی بھی مسلمان ہو چکے ہیں"۔ حضرت عمرؓ یہ سُن کر جھلائے اور سیدھے بہن کے گھر پہنچے۔ وہ اس وقت قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔ آہٹ پاکر چُپ ہو گئیں۔ حضرت عمرؓ آپے سے باہر ہو رہے تھے پوچھا: "یہ کیا پڑھ رہی ہو؟" بہن نے جواب دیا "کچھ نہیں"۔ انہوں نے کہا: میں سُن چکا ہوں کہ "تم دونوں مسلمان ہو گئے ہو"۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہو گئے۔ اور جب بہن نے بیچ بچاؤ کرنا چاہا تو اسے بھی پیٹ ڈالا۔ اس پر ان کی بہن نے کہا: "عمر جو چاہے جو کرو! اب اسلام ہمارے دل سے نہیں نکل سکتا۔" اس آواز نے آپ کو چونکا دیا۔ بہن کی محبت اور ان کے لہولہان جسم نے دل کو جھنجھوڑا، عمر بولے: "اچھا جو پڑھ رہی تھیں مجھے بھی سناؤ"۔ بہن نے قرآنِ پاک کے اجزا سامنے رکھ دیئے۔ ایک ایک لفظ نے دل پر اثر کیا، اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھا۔ اور مسلمان ہو گئے۔ وہاں سے سیدھے آنحضرتؐ کے پاس پہنچے، آپؐ اس وقت ایک صحابی ارقمؓ کے مکان میں فروکش تھے۔ آستانۂ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ تلوار ہاتھ میں تھی۔ اس لئے صحابہؓ نے تیور دیکھ کر درخواست کی کہ دروازہ نہ کھولا جائے لیکن حضرت حمزہؓ بولے کہ "آنے دو، نیک ارادے سے آیا ہے تو بہتر، ورنہ اسی تلوار سے سر قلم کر دوں گا"۔ جونہی حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا، آپؐ خود آگے بڑھے اور پوچھا: "عمرؓ! کس نیت سے آئے ہو؟" عرض کیا: "ایمان لانے کو"۔ اس پر آپؐ بے ساختہ پکار اُٹھے: "اللہ اکبر"

ساتھ ہی تمام صحابہ نے مل کر اس زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

حضرت عمرؓ کا اسلام لانا، اسلام کی تاریخ میں ایک موڑ (Turning Point) کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد اگرچہ چالیس پچاس تک پہنچ چکی تھی اور ان میں حضرت حمزہ جیسے جری آدمی بھی شامل تھے مگر اس کے باوجود مسلمان علانیہ اپنے مذہبی فرائض ادا نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لاتے ہی حالت دفعتہً بدل گئی۔ انہوں نے علانیہ اپنے اسلام کا اظہار کیا اور آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ اب کعبہ میں نماز ادا کی جائے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان کے کہنے پر پہلی مرتبہ کعبہ میں نماز با جماعت ادا کی اور کافر ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

(7)

بنی ہاشم کا بائیکاٹ ۷ نبوی

کفارِ مکہ اسلام کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر بہت پریشان ہوئے اور آپس میں معاہدہ کیا کہ بنی ہاشم سے کہا جائے کہ وہ آپؐ کو کفار کے حوالے کر دیں ورنہ ان کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے اور اس طرح آپ کے تمام خاندان کو تباہ کر دیا جائے۔ یہ معاہدہ اطلاعِ عام کے لئے کعبہ کے دروازے پر ٹکا دیا گیا۔ ابوطالب مجبوراً تمام خاندان کو لے کر ایک پہاڑی درّے میں جس کا نام شعب ابوطالب پڑ گیا ہے پناہ گزیں ہو گئے اور ساتھ ہی کچھ کھانے پینے کا سامان لیتے گئے جو بہت جلد ختم ہو گیا۔ یہ جلاوطنی تقریباً تین سال تک رہی اور اس مدت میں آپؐ اور آپؐ کے خاندان کو بہت تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں۔ کئی دفعہ فاقہ کشی تک نوبت آ گئی۔ آخرکار قریش کے چند لوگوں کو خود ہی اپنے ظلم کا احساس ہوا اور انہوں نے اس معاہدے کو چاک کر ڈالا۔ اس طرح ابتلا کا یہ دور بھی ختم ہو گیا۔

(8)

ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات ۱۰ نبوی

شعب ابوطالب کا محاصرہ ختم

ہی ہؤا تھا کہ ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔ اگرچہ انہوں نے تمام عمر اسلام قبول نہیں کیا لیکن وہ ہمیشہ آپؐ کی حمایت پر کمر بستہ رہے اور ان کے جیتے جی کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ آپؐ کا کچھ بگاڑ سکے۔ چچا کی وفات کے چند ہی روز بعد حضرتِ خدیجہؓ بھی فوت ہو گئیں۔ آپؐ کو ان دونوں کے ہونے سے بڑی ڈھارس تھی۔ اب یہ دونوں سہارے ٹوٹ گئے۔ ان دو موتوں کا آپؐ پر بہت اثر ہؤا اور آپؐ نے اس سال کا نام "عام الحزن" یعنی غم کا سال رکھا۔

طائف کا سفر

ابو طالب کی وفات کے بعد آپؐ کے لئے مکہ اور بھی تنگ ہو گیا۔ جب آپؐ نے دیکھا کہ مکہ میں کامیابی کی امید نہیں، تو آپؐ نے طائف کا رُخ کیا۔ طائف میں بنی ثقیف آباد تھے جن سے آپؐ کی کچھ دور کی رشتہ داری بھی تھی۔ مگر یہ لوگ کفارِ مکہ سے بھی بد باطن نکلے۔ جب آپؐ وہاں پہنچے تو انہوں نے شہر کے آوارہ لوگوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا۔ ان بدبختوں نے آپؐ پر اس قدر پتھر برسائے کہ آپؐ کی جُوتیاں خون سے بھر گئیں۔ آخر آپؐ نے ایک باغ میں پناہ لی اور جب یہ طوفانِ بدتمیزی ذرا تھما تو مکہ واپس آ گئے۔ آپؐ کے غلام زید نے جو اس سفر میں آپؐ کے ساتھ تھے کہا کہ ان بد باطن لوگوں کے لئے بد دُعا کیجئے۔ مگر آپؐ نے فرمایا کہ "میں تو لوگوں کے لئے سراپا رحمت بن کے آیا ہوں"۔ پھر آپؐ نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر کہا: "اے اللہ! میری قوم کو ہدایت کر کہ یہ ناواقف ہیں۔"

باب ۵

مدینہ کو ہجرت سنہ ۱۳ نبوی

مدینہ میں اشاعت اسلام | اہلِ مکہ سے مایوس ہوکر آپؐ نے عرب کے دوسرے قبیلوں میں تبلیغ شروع کردی۔ حج کے موقعہ پر جب عرب کے مختلف قبائل مکہ آتے تو آپؐ ان کے پاس جاتے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے۔ سنہ نبوی میں حج کے موقعہ پر مدینہ کے ایک قبیلہ بنی خزرج کے چھ آدمی مسلمان ہوگئے، اس سے اگلے حج پر ان کے بارہ اور آدمیوں نے اسلام قبول کرلیا اور تیسرے سال مدینہ کے ۷۲ آدمی ایمان لے آئے۔ اس طرح مدینہ میں اسلام پھیلنا شروع ہوگیا۔

مدینہ کا اصلی نام یثرب تھا۔ جب آنحضرتؐ تشریف لائے تو اس کا نام مدینۃ النبی یعنی نبی کا شہر مشہور ہوگیا۔ بعد میں صرف مدینہ رہ گیا۔ اس وقت مدینہ میں اسلام کی اشاعت کے لئے فضا کافی سازگار تھی۔ اس وقت مدینہ میں دو قسم کے لوگ آباد تھے، ایک تو یہودی جو سنہ عیسوی کے شروع میں بیت المقدس سے بھاگ کر مدینہ میں آباد ہوگئے تھے اور دوسرے دو عرب قبائل بنی اوس اور بنی خزرج۔ جو دراصل یمن کے باشندے تھے۔ لیکن یمن میں سیلاب آنے کے بعد (جس کا ذکر پہلے باب میں ہوچکا ہے) یہیں آکر آباد ہوگئے۔ چونکہ یہودیوں کی مقدس کتاب توریت میں ایک نبیٔ آخرالزمان کے آنے کا ذکر تھا اس لئے یہ عرب قبائل یہودیوں کے ساتھ میل جول کی وجہ سے اس پیشین گوئی سے واقف تھے۔ یہودی ان سے کہا کرتے تھے کہ اب نبیٔ موعود کے آنے کا وقت قریب ہے۔ ہم ان کی مدد سے اپنا

کھویا ہوا اقتدار پھر حاصل کرلیں گے ۔ سنہ نبوی میں حج کے موقعہ پر جب بنی خزرج کے آدمیوں سے آپؐ کی ملاقات ہوئی تو وہ فوراً سمجھ گئے کہ یہی نبی آخر الزمان ہیں ۔ ان لوگوں کی مدینہ کے یہودیوں سے جنگ رہا کرتی تھی اس لئے انہوں نے سوچا ہوگا کہ کہیں ایسا نہ ہو یہودی آپؐ پر ایمان لاکر انہیں مغلوب کرلیں ۔ ان لوگوں نے واپس جاکر مدینہ میں اسلام کی تبلیغ شروع کردی ۔ چنانچہ اگلے سال ان کے بارہ آدمی آئے اور آپؐ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ۔ واپسی پر یہ لوگ ایک صحابی مصعب بن عمیر کو قرآن پاک سکھلانے کے لئے ساتھ لے گئے ۔ اس طرح مدینہ میں آہستہ آہستہ اسلام پھیلنا شروع ہوگیا ۔ تیسرے سال ۱۳ سنہ نبوی میں مدینہ کے ۷۲ آدمی حج کے زمانہ میں آئے اور عقبہ کے مقام پر آپؐ سے بیعت کی اور آپؐ سے مدینہ تشریف لے چلنے کی درخواست کی ۔ اس موقعہ پر آپؐ کے چچا عباس آپؐ کے ساتھ تھے ، انہوں نے کہا کہ اے اہلِ مدینہ ! اگر تم حضورؐ کی حفاظت کرسکو تو تم لے جاسکتے ہو ، ورنہ انہیں یہیں رہنے دو ۔ انہوں نے یک زبان ہوکر اس بات کا وعدہ کیا ۔ اس ملاقات کے بعد آپؐ نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو مکہ سے مدینہ منتقل کرنے کا فیصلہ کرلیا اور تھوڑی تھوڑی تعداد میں مسلمانوں کو مدینہ روانہ فرماتے رہے اور خود اپنی روانگی کے لئے حکمِ الٰہی کے منتظر رہے ۔

مکہ سے ہجرت

آخر ایک رات آپؐ بھی ہجرت کے لئے تیار ہوگئے ۔ ادھر اسی رات کافروں نے آپؐ کے قتل کا منصوبہ تیار کیا اور آپؐ کے مکان کا محاصرہ کرلیا ۔ چونکہ عرب میں زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھا جاتا تھا اس لئے کافر باہر ہی ٹھہرے رہے ، تاکہ آپؐ جس وقت باہر نکلیں ، آپ کا کام تمام کردیا جائے ۔ آپؐ کو بھی اس منصوبے کی خبر ہوچکی تھی ۔ آپؐ رات کے اندھیرے میں اتنا چپکے سے نکل آئے کہ کافروں کو خبر تک نہ ہوئی ۔ آپؐ نے اپنی غیر حاضری میں حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹا دیا ۔ تاکہ کافروں کو آپؐ کے جانے کی خبر نہ ہو اور نیز آپؐ کے پاس لوگوں کی جو امانتیں رکھی ہوئی تھیں ، حضرت علیؓ وہ بھی واپس کردیں ۔ حضرت

ابوبکرؓ نے پہلے ہی سے تیاری کر رکھی ہوئی تھی۔ دونوں مدینے کی طرف روانہ ہو گئے۔ چونکہ آپؐ کو معلوم تھا کہ صبح ہوتے ہی کافر تعاقب شروع کر دیں گے، اس لئے آپؐ نے مکہ سے نکل کر جبلِ ثور کے ایک غار میں پناہ لی جہاں آپؐ تین روز پوشیدہ رہے۔ صبح ہوتے ہی جب کافروں کو، جو رات بھر آپؐ کے مکان کے گرد پہرہ دیتے رہے تھے، معلوم ہوا کہ آپؐ نکل گئے ہیں تو وہ اپنی ناکامی پر بہت جھنجلائے۔ حضرتِ علیؓ کو جو اس وقت کم عمر تھے، ڈرایا دھمکایا، مگر بے سود۔ ناچار چاروں طرف تلاش کے لئے نکلے۔ اور آپ کو گرفتار کرنے والے کو سو اونٹ دینے کا اعلان کیا۔ کافروں کی ایک پارٹی آپؐ کو ڈھونڈتی ڈھونڈتی غارِ ثور کے دہانے تک آ پہنچی لیکن اللہ تعالےٰ کی قدرت سے غار کے منہ پر مکڑی نے جالا بُن دیا تھا، اور کبوتروں کے ایک جوڑے نے گھونسلا بنا کر انڈے بھی دے دئے تھے۔ ان شواہد سے کافروں نے یہ نتیجہ نکالا کہ آپؐ اس غار میں نہیں ہیں اور واپس چلے گئے (علامہ شبلی نے ان روایات کی صحت سے انکار کیا ہے۔ دیکھو شبلی اول ۲۷۲)

مدینہ میں داخلہ

بہر حال آپ چوتھے دن غار سے نکلے اور منزل بمنزل قیام کرتے ہوئے مدینہ کے قریب پہنچے۔ ادھر سارا مدینہ آپ کے لئے چشم براہ تھا۔ ہزاروں لوگ روزانہ کئی میل شہر سے باہر نکل کر انتظار کرتے۔ آخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں اور آپؐ مدینہ کی ایک بیرونی بستی قبہ تک پہنچ گئے۔ یہاں آپؐ نے چودہ دن (بعض مورخین کے نزدیک چار دن) قیام کیا، اور وہاں ایک مسجد تعمیر کروائی۔ اس اثنا میں حضرتِ علیؓ بھی مکہ سے آ گئے۔ چودہ دن کے بعد آپ ۸ ربیع الاوّل ۱۳ نبوی یا ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء جمعہ کے دن (شبلی اوّل ۔ ۲۷۷) مدینہ میں داخل ہوئے اور حضرت ابوایوب انصاری کے مکان میں قیام کیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپؐ حضرت ابوایوب انصاری کے گھر سات مہینہ رہے جب تک کہ مسجد نبوی کے پاس آپؐ کا اپنا رہائشی مکان تیار نہ ہو گیا۔

مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتۂ مواخاۃ (بھائی چارہ)

مکہ سے ہجرت کرنے والے مسلمان بالکل بے سرو سامانی کی حالت میں گھر سے نکلے تھے۔ کچھ دن تو یہ لوگ انصار کے ہاں مہمان کی حیثیت سے رہے۔ لیکن ان کو یہ بات ناپسند تھی۔ کیونکہ وہ اپنے دست و بازو سے کام لینے کے خوگر تھے۔ اس لئے ان کے مستقل بسانے کا انتظام ازحد ضروری تھا۔ آپؐ نے یہ تدبیر سوچی کہ ہر مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنا کر اس کے سپرد کر دیا۔ انصار نے آپؐ کے قائم کئے ہوئے رشتہ کو سگے رشتہ سے بھی زیادہ سمجھا اور اپنی ہر ایک چیز کے دو حصّے کر کے ایک حصّہ اپنے مہاجر بھائی کو پیش کر دیا۔ انصار زیادہ تر کھیتی باڑی کرتے تھے اور مہاجرین (حضرتِ ابوبکرؓ۔ عثمانؓ وغیرہ) تجارت پیشہ تھے اور کھیتی باڑی کے فن سے بالکل ناآشنا۔ اس لئے انہوں نے زمین وغیرہ لینے سے انکار کر دیا اور تجارت کو ترجیح دی۔ کہتے ہیں کہ جب حضرتِ عبدالرحمٰن بن عوف کو ان کے انصار بھائی نے ہر ایک چیز کا نصف حِصّہ پیش کیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے صرف بازار کا رستہ بتا دیجئے۔ بازار میں جا کر انہوں نے اپنا کاروبار شروع کر دیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں کافی دولت پیدا کر لی۔ اسی طرح حضرتِ ابوبکرؓ نے کپڑے کا کارخانہ کھول لیا۔ حضرتِ عثمانؓ کھجور کی تجارت کرتے تھے اور حضرت عمرؓ کی تجارت کی وسعت ایران تک تھی۔ (شبلی اول ۲۷۷)

مسجد نبوی کی تعمیر

مدینہ میں پہنچنے کے بعد سب سے پہلا کام مسجد کی تعمیر تھی۔ اب تک مدینہ میں کوئی مسجد نہ تھی۔ مسلمان جہاں جگہ دیکھتے نماز پڑھ لیتے۔ آپؐ کے تشریف لانے کے کچھ عرصہ بعد مسجد کی تعمیر شروع کر دی گئی۔ مسجد کی دیواریں کچّی اینٹوں کی تھیں۔ کھجور کی لکڑی کے ستون تھے۔ چھت بھی کھجور کی شاخوں اور پتّوں کا تھا۔ غرض

صحیح معنوں میں اسلام کی سادگی کی تصویر تھی۔ مسجد کے ساتھ آپؐ کی رہائش کے لئے چند حجرے بنا دیئے گئے۔ یہ حجرے بھی کچے تھے۔ مسجد کی تعمیر میں آپؐ نے اور صحابہ نے، مل کر مزدوروں کا کام کیا۔ مسجد کے ایک حصّہ میں ایک مسقف چبوترہ تعمیر کیا گیا۔ یہ اُن لوگوں کے لئے تھا جو اپنا گھر بار نہیں رکھتے تھے۔ اس چبوترے کو صفہ کہتے تھے اور اس میں بودو باش رکھنے والے اہلِ صفہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرتِ ابوذر غفاریؓ اہلِ صفہ کے سرتاج تھے۔

مدینہ کے یہودیوں سے معاہدہ

اس سے پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ مدینہ میں یہودی بھی کافی تعداد میں آباد تھے۔ یہ لوگ بہت دولت مند اور طاقت ور تھے۔ مدینہ کے آس پاس ان کی بہت سی بستیاں اور قلعے تھے۔ آپؐ نے مصلحتِ وقت سمجھ کر آتے ہی یہودیوں سے ایک معاہدہ کر لیا تاکہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات زیادہ واضح اور منضبط ہو جائیں۔ اس معاہدہ کی موٹی موٹی شرطیں یہ تھیں :-

۱۔ دونوں فریق اپنے اپنے دین پر قائم رہیں گے، اور ایک دوسرے پر ہاتھ نہیں اُٹھائیں گے۔

۲۔ اگر دونوں پر کسی بیرونی دشمن نے حملہ کیا تو دوسرا فریق اس کی حمایت کرے گا۔

۳۔ مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں دونوں فریق مل کر مقابلہ کریں گے۔

۴۔ ایک فریق کے حلیف (ساتھی) دوسرے فریق کے بھی حلیف سمجھے جائیں گے۔

۵۔ اگر فریقین میں کوئی جھگڑا ہوا تو آنحضرتؐ کا فیصلہ دونوں کو تسلیم کرنا ہوگا۔

مدینہ میں مخالفین کی ایک نئی جماعت منافق

مدینہ میں آکر جہاں ایک طرف مصیبتوں میں کمی ہوئی وہاں دوسری طرف ان میں کچھ اضافہ بھی ہو گیا۔ مکہ میں صرف قریش مخالف تھے

مدینہ میں یہودیوں کے علاوہ ایک تیسری قسم کے مخالفین کا گروہ پیدا ہوگیا۔ یہ منافقوں کا گروہ تھا۔ بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے مگر درپردہ اسلام کی مخالفت میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھتے تھے۔ مارِ آستین ہونے کی وجہ سے یہ گروہ قریش اور یہود سے بھی زیادہ خطرناک تھا۔ اس گروہ کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا۔ یہ مدینہ کا سب سے بڑا رئیس تھا اور آنحضرتؐ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے وہاں کا بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ بلکہ انصار نے اس کی تاجپوشی کی رسم ادا کرنے کی بھی تیاریاں کر رکھی تھیں۔ (تاریخ ملت، اول ۶۲) اب جب اس نے اپنی بادشاہت کا خواب پریشان ہوتے دیکھا تو مسلمانوں کا مخالف ہوگیا۔ لیکن چونکہ مدینہ میں ہر خاص و عام اسلام کی طرف مائل تھا، اس لئے مصلحتاً وہ بھی مسلمان ہوگیا۔ مگر درپردہ اپنی مخالفت جاری رکھی، اور مرتے دم تک اپنی ناپاک کوششوں میں لگا رہا۔ اس طرح کفارِ مکہ کے علاوہ دو اور گروہ یعنی مدینہ کے یہود اور منافقین مسلمانوں کے حریف پیدا ہوگئے۔ ان تینوں کی سازباز بہت جلد رنگ لائی۔ مسلمان تو صلح اور آشتی کی تلاش میں مدینہ آئے تھے۔ مگر ان کے دشمن لڑائی کے منصوبے باندھ رہے تھے۔ ہجرت کے بعد اسلام کی تاریخ میں ایک نئے دَور کا آغاز ہوا، جسے دَورِ غزوات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔



باب ۶

سلسلۂ غزوات

جنگِ بدر ۲ھ

جہاد کا حکم مسلمان جب مکہ سے مدینہ ہجرت کر آئے تو ان کا خیال تھا کہ انہیں امن و امان نصیب ہوگا اور وہ کفارِ مکہ کی دستبرد سے باہر ہوں گے لیکن یہاں آکر ایک لحاظ سے ان کے مصائب میں اضافہ ہو گیا۔ اب انہیں کفارِ مکہ کے علاوہ دو اور مخالف گروہوں سے سابقہ پڑا۔ ایک مدینہ کے یہودی اور دوسرے منافقین، جن کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا۔ منافقین وہ لوگ تھے جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے مگر درپردہ اسلام کو مٹانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ اب ان تینوں گروہوں نے مل کر مسلمانوں کے خلاف ساز باز شروع کر دی۔ ہجرت کے فوراً بعد کفارِ مکہ نے عبداللہ بن اُبی سے نامہ و پیام شروع کر دیا مسلمانوں کو ہر وقت مدینہ پر حملے کا کھٹکا لگا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ جنگ بدر سے پہلے آپؐ اور آپؐ کے ساتھی رات بھر پہرہ دیتے رہتے تھے۔ آخر ۲ھ میں آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ مسلمان اپنی اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے کافروں کا مقابلہ کریں۔ اس قسم کی لڑائی کو اسلامی شریعت میں جہاد کہتے ہیں۔ اس حکم کے بعد مسلمانوں اور کافروں میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں جن لڑائیوں میں رسولِ اکرمؐ خود شریک ہوئے انہیں غزوہ کہا جاتا ہے۔ اور جن میں آپؐ شریک نہیں ہوئے انہیں سریّہ۔ غزوات کی کل تعداد ۲۳ بتائی جاتی ہے۔ ان میں سے صرف دو میں مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی ایک جنگِ اُحد

ہیں، وہ بھی اس لئے کہ مسلمانوں کے ایک دستہ نے آپؐ کے حکم کے خلاف اپنی جگہ چھوڑ دی اور دوسرے جنگِ حنین میں، جس میں مسلمانوں کو اپنی طاقت پر بہت غرور ہو گیا تھا۔ ان میں سے بعض لڑائیاں خاص طور پر جنگ بدر (سنہ ۲ھ) جنگِ اُحد (سنہ ۳ھ) اور جنگِ خندق یا جنگِ احزاب (سنہ ۵ھ) نتائج کے اعتبار سے بہت اہم ہیں۔ یہاں صرف انہی مشہور لڑائیوں کا ذکر کیا جائے گا۔

جنگِ بدر کے اسباب

۱۔ جب سے مسلمانوں نے مدینہ میں پناہ لی تھی، کفارِ مکہ مسلسل اس کوشش میں تھے کہ مسلمانوں سے یہ جائے رہائش بھی چھین لی جائے۔ ہجرت کے چند ہی روز بعد قریش نے عبداللہ بن ابی کو (جو ہجرت سے پہلے مدینہ کا بے تاج بادشاہ تھا اور اب منافقین کا سردار) ایک خط لکھا کہ محمدؐ کو یا قتل کر دو یا مدینہ سے نکال دو۔ ورنہ ہم تم پر حملہ کریں گے۔ ادھر قریش نے یہودیوں سے بھی ساز باز کر رکھی تھی۔ کیونکہ یہودی بھی مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خائف تھے۔ کفارِ مکہ، یہود، اور منافقین کی یہ سازش آخر رنگ لائی۔

۲۔ اسی زمانہ میں حضرتِ سعد بن معاذ جو مدینہ کے انصار کے سردار تھے مکہ گئے۔ وہاں خانہ کعبہ میں ان کی ابوجہل سے ملاقات ہو گئی۔ ابوجہل نے دھمکی دی کہ تم نے ہمارے دشمنوں (یعنی مسلمانوں) کو پناہ دی ہے۔ ہم تمہیں حج نہیں کرنے دیں گے۔ سعد نے جواب دیا کہ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تمہاری شام کی تجارت کا راستہ روک دیں گے۔" ابوجہل کی اس دھمکی سے انصار میں بہت ناراضگی پھیلی۔

۳۔ کعبہ کی توقیر کی وجہ سے تمام عرب قریش کا احترام کرتا تھا اور مکہ سے لے کر مدینہ تک تمام قبائل ان کے زیرِ اثر تھے۔ چونکہ آنحضرتؐ کو کفارِ مکہ کے حملہ کا ہر وقت اندیشہ تھا، اس لئے آپؐ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان بہت سے قبائل کو غیر جانب دار رہنے پر آمادہ کر لیا۔ آپؐ کا ایسا کرنا بطورِ حفظِ ماتقدم

تھا لیکن قریش نے اسے جنگ کی تیاری سمجھا اور مشتعل ہو گئے۔

۴۔ جنگِ بدر سے کچھ عرصہ پہلے کفارِ مکہ کی طرف سے شرارت کی ابتدا ہو چکی تھی۔ ایک قریشی سردار کرز بن جابر فہری نے ایک دفعہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مدینہ کی ایک چراگاہ پر حملہ کیا اور بہت سے مویشی ہنکا کر لے گیا۔ مسلمانوں نے اس کا تعاقب کیا مگر وہ بچ کر نکل گیا۔ مسلمانوں کے نزدیک یہ ایک جارحانہ اقدام تھا۔

۵۔ کرز بن جابر فہری کے بعد مسلمانوں نے بھی اپنے چھوٹے چھوٹے ہتھیار بند دستے مدینہ کے اطراف و جوانب میں بھیجنے شروع کر دیے تاکہ قریش پر آشکارا ہو جائے کہ مسلمان بھی تیار ہیں اور دوسرے انہیں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ مسلمان ان کی شام کی تجارت کا راستہ بند کر سکتے ہیں۔ اس تجارت پر قریش کی ساری طاقت کا دارومدار تھا۔ مسلمانوں کا یہ اقدام قریش کے لئے مستقل خطرے کا باعث بن سکتا تھا۔ اس لئے انہوں نے ضروری سمجھا کہ مدینہ سے مسلمانوں کا بالکل صفایا کر دیا جائے۔

۶۔ انہی دنوں مسلمانوں کے ایک چھوٹے سے جتھے کو عبداللہ بن جحش کی سرکردگی میں قریش کی ٹوہ لگانے کے لئے بمقام نخلہ بھیجا گیا۔ یہ جگہ مکہ سے تقریباً ایک دن کی مسافت پر تھی۔ عبداللہ کو تاکید کی گئی تھی کہ وہ صرف حالات کا پتہ لگائے۔ لیکن اتفاق سے وہاں ان کی قریش کے ایک چھوٹے سے قافلے سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ جس میں قریش کا ایک شخص ابن الحضرمی مارا گیا اور دو گرفتار ہوئے۔ یہ لوگ قریش کے چوٹی کے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ آپؐ کو جب خبر ہوئی تو آپؐ عبداللہ بن جحش پر بہت ناراض ہوئے۔ کیونکہ اُسے قافلے پر حملے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ قریش اس واقعہ سے بہت مشتعل ہوئے۔ عرب میں ایسے ہی واقعات سے لڑائیوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ ابن الحضرمی کا قتل

قریش اور مسلمانوں کے درمیان مستقل جھگڑے کی بنیاد بن گیا۔

۷۔ ابن الحضرمی کے قتل کا واقعہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا کہ ایک واقعہ اور پیش آگیا۔ انہی دنوں ابو سفیان (حضرت معاویہؓ کا باپ اور قریش کا رئیسِ اعظم) تجارت کی غرض سے شام گیا ہوا تھا۔ واپسی پر راستہ میں مدینہ پڑتا تھا۔ ابھی وہ شام ہی میں تھا کہ ابن الحضرمی کے قتل کی خبر اسے مل گئی۔ اسے ڈر پیدا ہوا کہ کہیں مسلمان اس کے قافلہ پر بھی حملہ نہ کر دیں۔ اس نے ابو جہل کو کہلا بھیجا کہ میری مدد کو آؤ۔ ابو جہل موقعہ کی تلاش میں تھا، اس نے مکہ میں مشہور کر دیا کہ مسلمانوں نے ابو سفیان کے قافلے پر حملہ کر دیا ہے۔ چونکہ مکہ کے بہت سے آدمیوں نے اس قافلہ کی تجارت میں اپنا روپیہ لگایا ہوا تھا۔ اس لئے قریش کا ایک لشکر ابو سفیان کے قافلے کے بچاؤ کے لئے مکہ سے نکل پڑا۔ ادھر ابو سفیان راستہ کاٹ کر صحیح سلامت مکہ پہنچ گیا۔ مگر ابو جہل نے قریش کے لشکر کو واپس نہ ہونے دیا۔ اور وہ مدینہ پر حملہ کی غرض سے آگے بڑھتے گئے۔ جب مسلمانوں کو خبر ہوئی تو وہ بھی مقابلے کے لئے نکل آئے اور دونوں فوجیں بدر کے میدان میں آمنے سامنے ہو گئیں۔

بدر کا معرکہ۔ ۱۷ رمضان سنہ ۲ھ

قریش کا لشکر پورے ساز و سامان سے نکلا تھا۔ اس کی کل تعداد ایک ہزار تھی۔ جس میں سے ایک سو سوار تھے۔ تقریباً تمام نامور رؤسائے قریش سوائے ابولہب کے اس میں شامل تھے۔ آنحضرتؐ کے چچا عباس بھی قریش کی طرف سے لڑنے والوں میں تھے۔ قریش کے لشکر کا سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ تھا جو قریش کا ایک معزز رئیس تھا۔ بدر کے قریب لشکرِ کفار کو معلوم ہوا کہ ابو سفیان کا قافلہ جس کی خاطر وہ مکہ سے نکلے تھے مسلمانوں کی زد سے نکل چکا ہے۔ بعض لوگوں نے رائے دی کہ اب لڑنا

ضروری نہیں مگر ابوجہل نہ مانا اور قریش کے لشکر نے بدر کے قریب (مدینہ سے ۸۰ میل دُور) ڈیرے ڈال دئے۔

قریش کے حملہ کی خبر سُن کر رسولِ اکرمؐ نے مہاجرین اور انصار دونوں کو مشورہ کے لئے طلب کیا۔ حضرتِ ابوبکرؓ اور حضرتِ عمرؓ نے مہاجرین کی طرف سے جاں نثارانہ تقریریں کیں۔ آپؐ نے انصار کی طرف اشارہ کیا تاکہ ان کا عندیہ معلوم ہو جائے۔ اس وقت تک مدینہ میں مہاجرین کی کل تعداد سو سے زیادہ نہ تھی، اس لئے انصار کی امداد کے بغیر قریش کا مقابلہ ناممکن تھا۔ آپؐ کو تامّل اس لئے تھا کہ انصار نے آپؐ کو مدینہ بلاتے وقت یہ اقرار کیا تھا کہ وہ اس وقت تک تلوار نہیں اٹھائیں گے جب تک کوئی بیرونی دشمن مدینہ پر حملہ نہ کرے۔ آں حضرتؐ کی تجویز یہ تھی کہ دشمن کو راستہ ہی میں روک لیا جائے۔ چونکہ دشمن سے متوقع ٹکر مدینہ سے ذرا فاصلے پر ہوتی تھی، اس لئے انصار سے ان کا ارادہ معلوم کرنا ضروری تھا۔ انصار نے آپؐ کی تجویز کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔

انصار کے سردار حضرتِ سعد بن عبادہ نے اُٹھ کر کہا: "یا رسُول اللہ! آپؐ کا اشارہ ہماری طرف ہے۔ خدا کی قسم! ہم موسیٰ کی قوم کی طرح نہیں ہیں۔ اگر آپؐ فرمائیں تو ہم سمندر میں کُود پڑیں گے" اس جواب پر آپؐ بہت خوش ہوئے اور فوراً تیاری کا حکم دے دیا گیا۔ مسلمانوں میں شوقِ جہاد کا یہ عالم تھا کہ کمسن بچے بھی جہاد میں حصّہ لینے کے لئے بے قرار تھے۔ مدینہ سے ایک میل دُور فوج کا جائزہ لیا گیا، اور جو کم عمر تھے واپس کر دئے گئے۔ اس طرح جب آپؐ مدینہ سے نکلے تو مسلمانوں کی کل تعداد ۳۱۳ تھی۔ جن میں ۷۴ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ اس مختصر سی فوج کے پاس صرف دو گھوڑے، چھ زرہیں اور ستّر اونٹ تھے۔ مسلمانوں کی فوج میں بہت کم آدمیوں کے پاس پُورے ہتھیار تھے۔ لیکن سازوسامان کے نہ ہوتے ہوئے بھی یہ لوگ جہاد

313
74
239

کے نشہ سے سرشار تھے۔ اور انہیں یقین کامل تھا کہ اپنی بے سروسامانی کے باوجود دشمن پر غالب آئیں گے۔ جب مسلمانوں کا لشکر بدر کے قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ کفار وادی کے دوسرے سرے پر ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔

۱۷۔ رمضان سنہ ۲ھ جمعہ کے دن دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ یہ ایک عجیب وغریب منظر تھا۔ آج مسلمانوں کے ایمان اور ایثار کا امتحان تھا۔ کیونکہ ان کے مقابلے پر ان کے اپنے ہی بھائی بند تھے۔ جہاں ایک طرف کفار کی صف میں آپؐ کا داماد ابو العاص۔ آپؐ کے چچا عباس۔ آپؐ کا بھتیجا عقیل بن ابوطالب۔ حضرت علیؓ کا بھائی۔ حضرت ابوبکرؓ کا بیٹا۔ حضرت عمرؓ کا ماموں اور حضرت ابو عبیدہ کا باپ شامل تھے۔ وہاں دوسری طرف قریش کے سپہ سالار عتبہ کا اپنا بیٹا ابو حذیفہ مسلمانوں کی طرف سے لڑ رہا تھا۔

عرب میں دستور تھا کہ عام جنگ سے پہلے طرفین کے نامور بہادر انفرادی طور پر لڑا کرتے تھے۔ سب سے پہلے کفار کی طرف سے ان کا سپہ سالار عتبہ اور اس کے دو بیٹے میدان میں آئے۔ عتبہ اور اس کے دونوں بیٹے مارے گئے۔ اس کے بعد عام لڑائی شروع ہو گئی اس عام لڑائی میں قریش کے تمام نامی گرامی سردار مارے گئے جن میں آپؐ کے بدترین دشمن ابوجہل اور امیہ بن خلف بھی تھے۔ مسلمانوں کی طرف سے ۱۴ اشخاص (چھ مہاجر اور آٹھ انصار) شہید ہوئے۔ قریش کے ستر آدمی قتل اور اسی قدر قید ہوئے۔ قیدیوں میں آپؐ کے چچا عباس، آپؐ کے داماد ابو العاص اور حضرت علیؓ کے بھائی عقیل بھی شامل تھے۔

جب قیدی مدینہ لائے گئے تو آپؐ نے صحابہ سے پوچھا کہ ان کے متعلق کیا فیصلہ کیا جائے؟ اس زمانہ میں عام دستور یہ تھا کہ جنگی قیدیوں کو یا تو میدانِ جنگ ہی میں قتل کر دیا جاتا تھا یا انہیں غلام بنا لیا جاتا تھا۔ حضرتِ عمرؓ نے کہا کہ ان لوگوں نے آپؐ کو ہمیشہ تکلیفیں دی ہیں۔ اس لئے ان سب کو قتل کر دیا جائے اور ہر شخص اپنے عزیز کو خود اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ [illegible] کے برخلاف حضرت

ابوبکرؓ کی رائے تھی کہ ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے تاکہ مسلمانوں کے پاس کچھ سرمایہ بھی آ جائے (بہت سے مہاجرین اس وقت تک سخت مفلوک الحال تھے۔ کیونکہ وہ اپنا سب کچھ مکہ چھوڑ آئے تھے۔) اور ان لوگوں کے لئے اسلام لانے کا موقعہ بھی باقی رہے۔ آپؐ نے حضرتِ ابوبکرؓ کی رائے سے اتفاق کیا اور آخر یہ تجویز ٹھہری کہ جو مالدار قیدی ہیں وہ فدیہ لے کر چھوڑ دئے جائیں، اور جو غریب ہیں وہ دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے نزدیک علم کی کتنی قدر تھی۔

بدر کے نتائج

گو جنگ بدر میں شریک ہونے والوں کی تعداد دُنیا کی بعض دُوسری بڑی لڑائیوں کے مقابلے میں بہت تھوڑی تھی، لیکن نتائج کے اعتبار سے جنگ بدر دُنیا کی فیصلہ کن لڑائیوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس لڑائی نے کفر اور اسلام کے درمیان فیصلہ کرنا تھا کہ ان دونوں میں سے کون زندہ رہ سکتا ہے۔ آخر فیصلہ اسلام کے حق میں ہوا۔ صحیح بخاری اور مسلم میں مذکور ہے کہ لڑائی سے پہلے رسولِ اکرمؐ بار بار دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے تھے کہ "اے خدا! تُو نے مجھ سے جو وعدہ کیا وہ آج پُورا کر۔ اگر یہ چند بندے آج مِٹ گئے تو پھر قیامت تک تیرا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا۔"

جنگِ بدر کے نتائج حسب ذیل تھے:۔

۱۔ معرکۂ بدر اسلام کی ترقی کا پہلا زینہ ہے۔ اس جنگ میں قریش کے بہت سے نامور سردار جن میں عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل اور امیہ بن خلف خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، مارے گئے۔ ان کے مارے جانے سے کفارِ مکہ کمزور پڑ گئے اور ان کا اصلی زعم ٹوٹ گیا۔

۲۔ مدینہ میں منافقین کے گروہ کی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئیں۔ اس وقت تک عبداللہ بن ابی اسلام کی علانیہ مخالفت کرتا تھا۔ مگر بدر کے بعد اسے علانیہ

مخالفت کی جرأت نہ ہوئی۔

۳۔ مسلمانوں کو کثرت کا خوف نہ رہا اور یہی بات ان کی آئندہ فتوحات کا پیش خیمہ بنی۔

۴۔ بدر کے بعد جہاں ایک طرف منافقین کی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئیں، وہاں دوسری طرف مسلمانوں کی غیر متوقع فتح نے مدینہ کے یہودیوں کو اور بھی بھڑکا دیا۔ اب تک وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ مٹھی بھر مسلمان، قریش کی مخالفت کے آگے ٹھہر نہ سکیں گے۔ اور آہستہ آہستہ فنا ہو جائیں گے۔ مگر اب انہیں احساس ہو گیا کہ اسلام ایک نہ مٹنے والی طاقت بن گیا ہے۔ اس سے ان کی آتشِ حسد اور بھڑک اٹھی اور اب انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے معاہدے کی پاسداری کو چھوڑ دیا۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

بدر میں مسلمانوں کی فتح کے اسباب

اگر ایک شخص چشم ظاہر بین سے بدر کے میدان میں کفار اور مسلمانوں کی فوج کا موازنہ کرتا۔ تو وہ اس نتیجہ پر پہنچتا کہ کفار کی فتح یقینی ہے۔ قریش کی تعداد ایک ہزار تھی اور مسلمان صرف تین سو تیرہ۔ قریش کی فوج میں سو سوار تھے اور مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے۔ قریش کا ہر سپاہی ہتھیاروں سے لیس اور سر تا پا لوہے میں غرق۔ مسلمانوں میں بہت کم آدمیوں کے پاس پورے ہتھیار تھے۔ قریش کی فوج میں بڑے بڑے دولت مند تھے جو تنہا تمام فوج کی رسد کا سامان کر سکتے تھے۔ اور ادھر مسلمانوں کے پاس صرف اللہ کا نام۔ قریش کی فوج میں عرب کے نامور سپہ سالار موجود، مسلمانوں میں اکثر وہ اشخاص جو پہلی بار خدا کے نام پر تلوار اٹھا رہے تھے۔ مگر ان ظاہری اسباب کے باوجود مسلمانوں کی قلیل جماعت کو کفار کے عظیم الشان لشکر پر فتح ہوئی، اس میں کچھ تو تائیدِ الٰہی کا ہاتھ تھا اور کچھ ایسے اسباب جن کو چشم ظاہر بین دیکھ نہیں سکتی لیکن جو ایک حقیقت شناس سے چھپ نہیں سکتے۔

۱۔ قریش میں نا اتفاقی تھی۔ کفار کے لشکر میں بہت سے لوگ لڑنے پر راضی نہ تھے۔ قریش دراصل ابوسفیان کا قافلۂ تجارت بچانے کے لیئے نکلے تھے۔ بدر کے قریب جب خبر آگئی کہ ابوسفیان صحیح سلامت مکہ پہنچ گیا ہے تو بعض لوگوں کے نزدیک، اب آگے بڑھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ اسی بنا پر قبیلہ بنعدی اور قبیلہ زہرا کے آدمی واپس چلے گئے۔ قریش کا سپہ سالار عتبہ بھی لڑنے پر راضی نہ تھا اور اپنے پاس سے ابن الحضرمی کا خون بہا دینے کے لئے تیار تھا۔ مگر ابوجہل نہ مانا۔

۲۔ کثرتِ تعداد کے علاوہ کفار کے لشکر کو مسلمانوں کے لشکر پر ایک فوقیت حاصل تھی۔ وہ یہ تھی کہ ان کے پاس سو سوار تھے اور مسلمانوں کے پاس صرف دو۔ لیکن تائیدِ غیبی سے یہ فوقیت انہیں کوئی خاص فائدہ نہ پہنچا سکی۔ جو جگہ قریش نے منتخب کی تھی جنگِ بدر کی رات بارش ہونے کی وجہ سے وہ جگہ کیچڑ سے بھر گئی۔ اور ان کے سپاہیوں کے لئے (خاص طور پر آہن پوش سواروں کے لئے) چلنا پھرنا دشوار ہو گیا تھا۔ قریش کی فوج کا بہترین حصہ اپنی سرعتِ رفتار کھو بیٹھا جس پر اُس زمانے میں (اور آج کل بھی) فتح اور شکست کا انحصار ہے۔ اس طرح مسلمانوں کی فوج پر جو فوقیت انہیں حاصل تھی وہ رائیگاں گئی۔

۳۔ کفار کی فوج میں کوئی ترتیب اور صف بندی نہ تھی۔ بخلاف اس کے آنحضرت ﷺ نے خود مسلمانوں کی صفیں درست کی تھیں۔

۴۔ قریش نے مرعوب ہو کر مسلمانوں کی تعداد کا غلط اندازہ لگایا تھا، یعنی اپنے سے دوگنا۔ اس حقیقت کی طرف قرآنِ پاک میں بھی اشارہ ہے۔ سورہ آل عمران میں آیا ہے کہ" وہ (یعنی کفار) اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کو دوگنا دیکھ رہے تھے۔

۵۔ مسلمان رات کو سو کر اُٹھے، اس لئے تازہ دم تھے۔ بخلاف اس کے کفار رات بھر بے اطمینانی کی وجہ سے سو نہ سکے، صبح اٹھے تو ان میں گھبراہٹ عام تھی۔

۶۔ مسلمان ایک نبی، ایک سپہ سالار اور ایک جھنڈے تلے لڑ رہے تھے۔ بخلاف اس کے کفار میں کئی نامور سردار موجود تھے۔ جن میں سے ہر ایک اپنے آپ کو سپہ سالار سمجھ رہا تھا۔ عتبہ بن ربیعہ سپہ سالار مقرر کیا گیا تھا مگر ابو جہل وغیرہ اس کی بات نہیں مانتے تھے۔

۷۔ عام حملے سے پہلے ہی ان کے تین نامور سردار مارے گئے۔ اس کے کچھ دیر بعد ابو جہل بھی قتل کر دیا گیا۔ اس سے دشمنوں میں ہلچل مچ گئی اور کافر میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

جنگِ بدر مدافعانہ تھی یا جارحانہ؟

مخالفینِ اسلام نے یہ الزام لگایا ہے کہ جنگِ بدر کی اصلی غرض و غایت ابو سفیان کے قافلۂ تجارت کو لوٹنا تھی نہ کہ قریش کے حملہ کا دفاع۔ بہت سے مسلمان مورخین اور اربابِ سیر نے بھی اس معاملہ میں ٹھوکر کھائی ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ جب آپؐ مدینہ سے نکلے تو صرف قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود تھا۔ دو چار منزل چل کر معلوم ہوا کہ قریش کا لشکر بڑھتا چلا آرہا ہے۔ اس وقت آپؐ نے انصار اور مہاجرین کو جمع کیا۔ اور یہیں (نہ کہ مدینہ میں) فیصلہ ہوا کہ کفار کے لشکر کا مقابلہ کیا جائے۔ لیکن مندرجہ ذیل شواہد سے معلوم ہو گا کہ آپ کو مدینہ ہی میں معلوم تھا کہ مقابلہ کفار کے لشکر سے ہے نہ کہ تجارتی قافلہ سے اور آپؐ کفار کے لشکر ہی کو روکنے کے لئے مدینہ سے نکلے۔

۱۔ ابو سفیان کا قافلہ شام کی طرف سے آرہا تھا۔ اگر اسے لوٹنا مقصود ہوتا تو مسلمان شام کی طرف یعنی شمال مغرب کی طرف چلتے نہ کہ مشرق کی طرف جس جانب کعبہ آباد ہے۔

۲۔ جنگِ بدر سے پہلے مکہ اور مدینہ کے درمیان رہنے والے قبائل کو غیر جانبدار رکھنے کی غرض سے یا قریش کے تجارتی قافلوں کو مرعوب کرنے کے لئے مسلمانوں

چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بھیجی جاتی تھیں ۔ ان میں انصار نہیں ہوتے تھے ۔ کیونکہ انصار نے بعیت کے وقت مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں لڑنے کا وعدہ کیا تھا ۔ اگر اب بھی قافلہ پر حملہ مقصود ہوتا تو اس میں انصار موجود نہ ہوتے ۔ مگر معرکۂ بدر میں انصار کی تعداد مہاجرین سے بہت زیادہ تھی (یعنی ۷۴ مہاجر اور باقی سب انصار)

۳۔ اگر قافلہ پر حملہ پیش نظر ہوتا تو مسلمانوں کو اتنی جمعیت سے نکلنے کی ضرورت نہ تھی ۔ یہ سب کو معلوم تھا کہ ابو سفیان کے قافلے کے ساتھ صرف ستر آدمی ہیں ۔ ستر آدمیوں کے مقابلہ کے لئے تین سو تیرہ آدمیوں کا لشکر تیار کرنا ایک بے معنی سی بات معلوم ہوتی ہے ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو معلوم تھا کہ معاملہ اس سے زیادہ سنگین ہے اور انہیں سر دھڑ کی بازی لگانی ہو گی ۔

۴۔ قرآن پاک میں ذکر ہے کہ جب جنگ بدر کے لئے آنحضرتؐ مدینہ سے نکلے تو بعض لوگ ڈر کے مارے سہمے جاتے تھے گویا موت کے منہ میں جا رہے ہیں (سورۂ انفال) اگر ہم کا مقصد محض قافلے پر حملہ کرنا ہوتا تو ان کا یہ ڈر اور اضطراب بے معنی تھا ۔ اس سے پہلے بارہا مسلمانوں نے کفار کے قافلوں پر حملے کئے تھے اور انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا ۔ اس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان قافلہ پہ حملہ کرنے کی نیت سے نہیں بلکہ لشکرِ قریش کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلے تھے ۔ اور سب کو معلوم تھا کہ اس معرکہ میں شہادت تک نوبت آئے گی ۔

۵۔ اگر قافلہ پر حملہ مقصود ہوتا تو ہر عمر اور ہر قسم کے لوگوں کو شرکت کی اجازت دی جاتی ۔ مگر اب چونکہ جہاد کا مسئلہ درپیش تھا اس لئے معذور اور نابالغ لوگوں کو اجازت نہیں دی گئی ۔

۶۔ جب ابو سفیان کے قافلے کی روانگی اور قریش کے حملے کی خبر آگئی ، تو

مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا تھا جو صرف قافلے پر حملہ چاہتا تھا۔ لیکن وحی کے ذریعہ ایسے لوگوں پر ان الفاظ میں ناراضگی ظاہر کی گئی: "تم یہ چاہتے ہو کہ جس گروہ سے کوئی خدشہ نہیں (یعنی قافلۂ تجارت) وہ تمہارے ہاتھ آئے۔ لیکن اللہ چاہتا ہے کہ حق قائم کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے (سورۂ انفال) اس صریح حکم کے ہوتے ہوئے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ (نعوذ باللہ) آپؐ کفر کی جڑ کاٹنے کی بجائے صرف قافلے پر حملے کی حمایت میں تھے۔

مندرجہ بالا شواہد کی روشنی میں یہ امر صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ معرکۂ بدر کا اصلی سبب قریش کے حملہ کی مدافعت تھی۔ بدر کے متعلق اس عام غلط فہمی (ابوسفیان کے قافلۂ تجارت پر حملہ) کی وجہ یہ ہے کہ رسولِ اکرمؐ اصولِ جنگ کے مطابق اکثر غزوات میں یہ ظاہر نہیں کرتے تھے کہ اسلامی فوج کو کس طرف جانا اور کس مقصد کے لئے جانا ہے۔ تاکہ دشمنانِ اسلام کو اصلیت کا پتہ نہ لگ جائے۔ مثلاً جب عبداللہ بن حجش کی جماعت کو قریش کی ٹوہ لگانے کے لئے بھیجا گیا تو تو اس کو ۔۔۔ ایک خط دیا گیا اور ۔۔۔ ہدایت کی گئی کہ اس کو فلاں مقام پر کھولنا۔ (شبلی اوّل ۳۱۳) اس وجہ سے بعض لوگ غزوات کے متعلق مختلف قسم کی قیاس آرائیاں شروع کر دیتے تھے۔ بدر کے متعلق بھی مختلف قیاس آرائیاں کی گئیں اور جو قیاس مذاقِ عام کے مطابق تھا وہی مشہور ہو گیا۔ (تمام بحث کے لئے دیکھو شبلی اوّل ۳۴۳ تا ۳۶۴)

باب ۴

جنگِ اُحد ۳ھ

جنگِ اُحد کے اسباب

عرب میں ایک شخص کے قتل پر خوں ریز لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ بدر میں تو کفارِ مکّہ کے ستر آدمی مارے گئے تھے۔ جن میں ابوجہل اور عتبہ جیسے رؤساء قریش بھی شامل تھے۔ اس لئے کفار کا بدر کی شکستِ فاش کا انتقام لینے کی کوشش کرنا ایک قدرتی بات تھی لیکن غیرت کی وجہ سے روتے دھونے یا سوگ منانے کی ممانعت کردی گئی۔ جب ہوش و حواس ٹھکانے ہوئے تو انتقام کی تیاریاں شروع ہو گئیں فیصلہ ہوا کہ شام کے قافلۂ تجارت (جس کی وجہ سے بدر کا واقعہ پیش آیا تھا) کا کل منافع مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کرنے کے لئے ابوسفیان کے پاس بطور امانت جمع کرا دیا جائے۔ ابوجہل وغیرہ کے مرنے کے بعد ابوسفیان (بنی امیہ کا سردار اور حضرت معاویہ کا باپ) اب قریش کا رئیسِ اعظم تھا۔ کفارِ مکّہ جن میں ابوسفیان اور ابوجہل کا لڑکا عکرمہ پیش پیش تھے۔ پورا ایک سال تیاری میں مصروف رہے۔ ایک سال کے بعد ابوسفیان تین ہزار کا لشکرِ جرار لے کر مکّہ سے نکلا۔ اس مرتبہ ان کے ساتھ عورتیں بھی تھیں تاکہ مردوں کو غیرت دلائیں۔ عرب میں دستور تھا کہ جس لڑائی میں عورتیں ساتھ ہوتی تھیں، مرد جانوں پر کھیل جاتے تھے۔ کیونکہ انہیں معلوم ہوتا تھا کہ اگر شکست ہوئی تو عورتوں کی بے حرمتی ہو گی۔ ان عورتوں کی سرغنہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ تھی، اس کا باپ عتبہ (بدر میں قریش کا سپہ سالار) اور اس کے دو بھائی بدر کی لڑائی میں مارے گئے تھے اور وہ انتقام کے لئے بے تاب تھی۔ اس

کا باپ حضرتِ حمزہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس لئے اس نے ایک حبشی غلام کو حضرتِ حمزہ کے قتل پر آمادہ کیا اور یہ وعدہ کیا کہ اس کارگزاری کے صلہ میں اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ یہ حبشی غلام گھات میں بیٹھ کر حربہ (ایک چھوٹا سا خنجر) پھینکنے میں ماہر تھا۔

معرکۂ اُحد جب تیاری مکمل ہو چکی تو ابو سفیان تین ہزار کا لشکرِ جرار لے کر مکّہ سے نکلا۔ اس دفعہ لشکرِ کفار میں وہ بے ترتیبی اور بد انتظامی نہیں تھی جس کا مظاہرہ انہوں نے بدر میں کیا تھا۔ یہ لشکر مدینہ سے چھ میل شمال کی طرف اُحد کی پہاڑی کے قریب جا کر رُکا۔ آپؐ کے چچا حضرتِ عباس (جو اب مسلمان ہو چکے تھے مگر ابھی تک مکہ ہی میں تھے) نے آپؐ کو کفار کے ارادوں سے مطلع کر دیا تھا۔ بعض صحابہؓ کی رائے تھی کہ مدینہ ہی میں قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ لیکن نوجوانوں نے اصرار کیا کہ شہر سے باہر نکل کر حملہ کیا جائے۔ کچھ تامّل کے بعد آپؐ نے اس رائے کو مان لیا۔ جب آپؐ زرہ پہن کر باہر آئے تو نوجوانوں کو اپنے اصرار پر پشیمانی ہوئی کہ ہم نے آپؐ کی مرضی کے خلاف نکلنے پر مجبور کیا۔ مگر آپؐ نے فرمایا کہ پیغمبر کی شان کے خلاف ہے کہ وہ ہتھیار پہن کر اتار دے۔ جب تیاری مکمل ہو چکی تو آپؐ ایک ہزار مسلمانوں کو لے کر مدینہ سے باہر نکلے۔ لیکن تھوڑی دور ساتھ جا کر عبداللہ بن اُبی (مدینہ کے منافقین کا سرغنہ) اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ اس بہانہ پر واپس ہو گیا کہ آن حضرتؐ نے میری بات نہیں مانی (یعنی قلعہ بند ہو کر مقابلہ نہیں کیا) اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں بے اطمینانی پھیلے۔ اب صرف سات سو مسلمان رہ گئے تھے۔ جن میں سے صرف ایک سو کے پاس پورے ہتھیار تھے۔ اس لڑائی میں بچوں نے بھی پورا جوشِ جہاد دکھایا۔ لیکن انہیں کم عمری کی بنا پر واپس کر دیا گیا۔ صرف دو لڑکوں کو ساتھ جانے کی اجازت دی گئی۔ ایک تو بہت اچھا تیر انداز تھا۔ دوسرے نے کہا کہ میں اس کو کشتی میں پچھاڑ سکتا ہوں۔

جب دونوں کا مقابلہ کرایا گیا تو دوسرے لڑکے کا دعوٰے بالکل صحیح نکلا۔ اس پر اس کو بھی جہاد میں شامل ہونے کی اجازت مِل گئی۔

مسلمانوں کا لشکر جب اُحد کی پہاڑی کے دامن میں پہنچا تو آپؐ نے میدانِ جنگ کا انتخاب یُوں کیا کہ اُحد کی پہاڑی مسلمانوں کی پشت پر تھی، تاکہ کافر عقب سے حملہ نہ کرنے پائیں۔ صرف ایک درّہ سے دشمن کے حملہ کا اندیشہ تھا۔ اس لئے آپؐ نے پچاس تیر اندازوں کی ایک جماعت اس درّہ کی ناکہ بندی پر مقرر کر دی اور اس کو تاکید کی کہ فتح ہو یا شکست وہ اپنی جگہ کو بالکل نہ چھوڑیں اس کے بعد عام لڑائی شروع ہو گئی۔ تعداد میں تھوڑے ہونے کے باوجود مسلمان اس بہادری سے لڑے کہ دشمن کے چھکے چھُوٹ گئے۔ حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابو دجانہؓ (عرب کے مشہور پہلوان) جس طرف رُخ کرتے تھے۔ دشمن کی صفوں کی صفیں اُلٹ دیتے تھے۔ اسی اثنا میں حضرت حمزہؓ اس حبشی غلام کی زد میں آ گئے جسے ہندہ نے انہیں قتل کرنے کے لئے تیار کیا ہوا تھا۔ اس بدبخت نے تاک کر حربہ پھینکا اور آپؓ وہیں شہید ہو گئے۔ ہندہ نے آپؓ کا پیٹ چاک کر کے آپؓ کا جگر چبا ڈالا اور اس طرح اپنے انتقام کی آگ بجھائی۔ حضرتِ حمزہؓ کی شہادت کی خبر نے مسلمانوں کے لشکر میں غم و غصّہ کی لہر دوڑا دی اور اب انہوں نے اُس زور کا حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس پر چند مسلمان کافروں کا ساز و سامان لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ درّہ کے تیر اندازوں نے جب دیکھا کہ مسلمان فتح یاب ہو گئے ہیں تو وہ بھی درّہ کو چھوڑ کر اسی طرف لپکے۔ مسلمانوں کو مالِ غنیمت کے لوٹنے میں مصروف اور درّے کا راستہ خالی دیکھ کر خالد بن ولید نے (جو اس وقت تک کافر تھے) پشت کی طرف سے اچانک حملہ کر دیا۔ مسلمان اس ناگہانی حملہ سے بدحواس ہو گئے اور وہ اپنی جمعیّت کھو کر دو دو چار چار کی ٹولیوں میں بٹ گئے۔ اس بھگدڑ میں مسلمانوں کے لشکر کا علمبردار حضرتِ مصعب بن عمیر شہید ہو گئے

ان کی شکل آنحضرتؐ سے ملتی جلتی تھی۔ اس لئے یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضورؐ شہید ہوگئے۔ اس خبر نے مسلمانوں کو اور بدحواس کر دیا اور ان میں سے بہت سے بددل ہو کر میدان چھوڑ گئے۔ ادھر جب مسلمانوں کی فوج منتشر ہو رہی تھی تو آنحضرتؐ کے ساتھ صرف بارہ ساتھی رہ گئے۔ آپؐ جاں نثاروں کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے ان فداکاروں نے آپؐ کے گرد حلقہ بنا لیا لیکن ایک کافر آپؐ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ اور چہرۂ انور پر تلوار کا وار کیا۔ جس سے خود کی دو کڑیاں ٹوٹ کر آپؐ کے رخسارِ مبارک میں پیوست ہوگئیں۔ اسی طرح ایک اور کافر نے آپؐ کو پتھر سے زخمی کر دیا۔ جس سے آپؐ کے دو دندانِ مبارک شہید ہوگئے۔ اسی حالت میں ایک انصاری کعب بن مالک نے آپؐ کو دیکھ لیا اور پکارا کہ مسلمانو! رسول اللہ تو زندہ ہیں۔ یہ آواز سن کر مسلمان ہر طرف سے رسولِ اکرم کی طرف دوڑ پڑے اور پھر مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد جمع ہوگئی۔ اس اثنا میں ابو سفیان نے بھی آپؐ کو دیکھ لیا تھا اور وہ برابر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ نے اس قدر پتھر برسائے کہ وہ آگے نہ بڑھ سکا۔ جب اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کی کافی تعداد پھر آنحضرتؐ کے گرد جمع ہوگئی ہے تو اس نے اسی فتح کو غنیمت جانا اور مکہ واپس لوٹ گیا۔ اس لڑائی میں ستر مسلمان شہید ہوئے اور ۳۳ کافر مارے گئے۔ اس طرح یہ لڑائی جس کی ابتدا میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تھی، چند آدمیوں کی غفلت کی وجہ سے شکست میں تبدیل ہوگئی۔

باب ۴

مدینہ سے یہودیوں کا اخراج سے ہجری

یہودیوں کی مخالفت کے اسباب

اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اسلام سے بہت پہلے یہودی، بیت المقدس پر رومی قبضہ ہونے کے بعد (سنہ ۷۰ عیسوی) بڑی تعداد میں فلسطین سے ہجرت کر کے مدینہ اور اس کی آس پاس کی بستیوں میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ رفتہ رفتہ انہوں نے مدینہ پر اپنا اثر و اقتدار قائم کر لیا۔ وہ زیادہ تر تجارت پیشہ یا زمیندار تھے۔ اور انصار عموماً ان کے مقروض رہا کرتے تھے سیاسی اور اقتصادی فوقیت کے ساتھ ساتھ انہیں علمی اور مذہبی برتری کا بھی دعوٰے تھا۔ عرب عموماً جاہل اور بُت پرست تھے اور یہودی ان کی نسبت زیادہ مہذب، شائستہ اور پڑھے لکھے تھے۔ اس وجہ سے بھی عرب قبائل ان کو عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ جب مسلمان مدینہ میں ہجرت کر کے آئے تو قدرتاً یہودیوں نے اسے اپنے اقتدار کے لئے ایک مستقل خطرہ سمجھا۔ پہلے تو انہوں نے آں حضرتؐ کی طرف سے معاہدے کی پیشکش کو قبول کر لیا۔ مگر جُوں جُوں اسلام مضبوط ہوتا گیا یہودی علانیہ مخالفت پر اُتر آئے۔ ان کی مخالفت کے اسباب مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ مذہبی : مدینہ میں مدت دراز سے یہودیوں کی مذہبی فوقیت قائم تھی۔ اب اس میں کمی آگئی۔ اسلام سے پہلے مدینہ کے مشرکین میں یہودیت آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی۔ اب اس کی رفتار دفعتہً رُک گئی اور اس کی بجائے

اسلام سرعت سے پھیلنے لگا۔ اس کے علاوہ تبدیلیٔ قبلہ نے بھی یہودیوں کو اور برہم کردیا۔ اب تک آنحضرتؐ جن کہ معاشرتی امور میں کوئی واضح حکم نہیں ہوتا تھا۔ یہودیوں کی تتبع کرتے تھے، تبدیلیٔ کعبہ کے بعد معاشرتی امور کے متعلق بہت سے واضح احکام نازل ہوئے۔ اس لئے آپؐ نے یہودیت کی موافقت چھوڑ دی۔

۲۔ **اقتصادی :** اسلام نے مدینہ میں آکر انصار کو اقتصادی آزادی بخشی۔ مہاجرین میں سے اکثر (حضرت ابوبکرؓ عثمانؓ وغیرہ) تجارت پیشہ تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی انصار نے بھی تجارت کی طرف توجہ کی اور اب وہ پہلے کی نسبت زیادہ خوشحال ہوگئے۔ اس سے پہلے وہ یہودیوں کے مقروض رہا کرتے تھے۔ جوں جوں انصار دولت مند ہوتے گئے، یہودیوں کی اقتصادی گرفت سے آزاد ہوتے گئے۔

۳۔ **اخلاقی :** امتدادِ زمانہ سے یہودیوں میں بہت سی اخلاقی اور سماجی خرابیاں گھر کر گئی تھیں۔ زرپرستی، طمع، کبر وغرور انکی عادت ثانیہ بن چکے تھے دولت کو حاصل کرنے کے لئے ذلیل سے ذلیل حرکت سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ سُود کی بڑی بڑی شرحیں مقرر کر رکھی تھیں۔ اور سُود کے معاملہ میں بہت سے بے رحمی سے پیش آتے تھے اس کے علاوہ دولت کی فراوانی کی وجہ سے ان میں بداخلاقی بھی عام تھی۔ قرآن پاک میں ان تمام بُری عادتوں کی مذمت کی جاتی تھی اور یہودیوں کی طرف صاف صاف اشارے موجود ہوتے تھے۔ یہودی اس کو بہت بُرا سمجھتے تھے۔

۴۔ **سیاسی :** ہجرت سے پہلے مدینہ اور اس کی نواحی بستیوں پر یہودیوں کا اثر واقتدار تھا۔ گو تعداد میں وہ کم تھے لیکن انصار کی باہمی پھوٹ سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ جب بنی اوس اور خزرج (انصار کے دو مشہور قبیلے) ایمان لے آئے تو اسلام نے ان کو اخوت کے رشتہ میں پرو دیا اور ان میں پھر اتحاد قائم ہوگیا۔

ہجرت کے بعد آنحضرتؐ اور دیگر مسلمان بھی مدینہ میں آ گئے اور مدینہ اسلام کا مرکز بن گیا۔ اس سے یہودیوں کے سیاسی اثر و اقتدار کو بھی بہت ضعف پہنچا۔ بدر کی فتح کے بعد مسلمانوں کی پوزیشن اور مضبوط ہو گئی۔ یہودیوں کو مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق اور اسلام کی روز افزوں ترقی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ اس لئے وہ ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی تدبیریں سوچتے رہتے تھے۔

بنی قینقاع کا اخراج

مدینہ پہنچ کر آنحضرتؐ نے مصلحت وقت سمجھ کر یہودیوں سے معاہدے کر لئے تھے۔ لیکن معاہدہ ہو چکنے کے بعد بھی وہ چپکے چپکے سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ اس کے بعد مسلمانوں کو بدر اور اُحد کی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ چونکہ کفارِ مکہ نے مدینہ پہ چڑھائی کی تھی، اس لئے معاہدہ کی رُو سے یہودیوں کو مسلمانوں کی امداد کرنا چاہئے تھی۔ لیکن اس کے برعکس یہودیوں نے نہ صرف معاہدہ کی خلاف ورزی کی، بلکہ مسلمانوں کے خلاف اپنی سازشیں اور تیز کر دیں۔ بدر کی فتح نے انہیں اور زیادہ بدحواس کر دیا۔ اب انہیں صاف نظر آ رہا تھا کہ اسلام مٹ نہیں سکتا۔ اس وقت مدینہ میں یہودیوں کے تین قبیلے۔ بنی قینقاع۔ بنی نضیر اور بنی قریظہ، چونکہ بنی قینقاع سب سے زیادہ دولت مند اور طاقتور تھے، اس لئے عہد شکنی کی ابتدا انہی کی طرف سے ہوئی۔ مسلمانوں اور یہودیوں کی جنگ کا آغاز ایک اتفاقی واقعہ سے ہوا ایک دن بنی قینقاع کے بازار میں ایک یہودی نے ایک مسلمان عورت کی بے عزتی کی۔ اس پہ ایک مسلمان کو غصہ آیا اور اس نے اس یہودی کو قتل کر دیا۔ یہودیوں نے اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ رسول اکرمؐ یہودیوں کے پاس خود تشریف لے گئے اور نرمی سے معاملہ کو نپٹانے کی کوشش کی۔ مگر بنی قینقاع فساد پر آمادہ تھے۔ مسلمانوں نے مجبور ہو کر بنی قینقاع کے قلعے (یا قلعہ نما محلے) کا محاصرہ کر لیا۔ پندرہ دن کے بعد یہودیوں نے اس شرط پہ ہتھیار ڈال دیے کہ حضورؐ جو فیصلہ کریں گے انہیں منظور ہو گا۔ آپؐ نے ان سرکش یہودیوں کو صرف یہی سزا دی کہ انہیں مدینہ سے جلا وطن کر دیا۔

بنی نضیر کا اخراج

جنگِ اُحد کے بعد یہودیوں کے دوسرے مشہور قبیلے بنی نضیر نے جنگ کی راہ اختیار کی اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ایک مسلمان نے بنی عامر کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا جنہیں آں حضرت امان دے چکے تھے۔ جب آپ کو خبر ہوئی تو آپ نے خوں بہا دینے کا اعلان کر دیا۔ معاہدہ کی رو سے اس رقم کا ایک حصہ بنی نضیر پر بھی واجب الادا تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کے ساتھ وہ بھی بنی عامر کے حلیف تھے۔ آپ نے اس معاملہ میں بنی نضیر سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا اور آپ خود چند ممتاز صحابہ کو لے کر ان کے ہاں گئے۔ یہودیوں نے آپ کی بڑی عزت کی، لیکن درپردہ یہ سازش کی کہ قلعہ کی دیوار کے اوپر سے (جس کے سایہ میں آپ اس وقت کھڑے تھے) ایک بہت بڑا پتھر گرا کر آپ کو شہید کر دیا جائے جونہی ایک یہودی اس نیت سے اُوپر چڑھا آپ کو اس کے بُرے ارادے کا حال معلوم ہوگیا اور آپ مدینہ واپس آگئے۔ واپس آکر آپ نے بنی نضیر کو لکھ بھیجا کہ یا تو اپنا معاہدہ پورا کرو یا مدینہ سے نکل جاؤ۔ مگر انہوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ آخر آپ نے مجبور ہوکر بنی نضیر پر فوج کشی کی۔ وہ قلعہ بند ہوگئے۔ مگر اپنے بھائیوں بنی قینقاع کی طرح دو ہفتے کے بعد ہتھیار ڈال دیے۔ آپ نے ان کے ساتھ بھی بہت نرمی کا برتاؤ کیا۔ اور ان کی سازشوں کے باوجود انہیں صرف جلاوطنی کی سزا دی۔ بنی نضیر کے بہت سے سرکردہ اشخاص یہودیوں کی مضبوط بستی خیبر میں جا کر بس گئے اور وہاں بھی اپنی ریشہ دوانیاں جاری رکھیں۔ بعد میں انہی لوگوں کے اکسانے پر کفارِ مکہ نے تیسری بار مدینہ پر حملہ کیا جسے جنگِ خندق یا جنگِ احزاب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

بنی قریظہ کا اخراج

یہودیوں کے تیسرے مشہور قبیلے بنی قریظہ کا اخراج جنگِ خندق کے بعد ہوا۔ (جس کا ذکر اس کے بعد آئے گا) لیکن چونکہ یہ اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے اس لئے اس کا یہیں بیان کر دینا مناسب ہے۔

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ جنگِ اُحد کے بعد یہودیوں کو تجدیدِ معاہدہ کے لئے کہا گیا تھا۔ بنی نضیر نے اس سے انکار کیا تھا اور ان پر فوج کشی کی گئی تھی، اور انہیں مدینہ سے نکال دیا گیا تھا۔ لیکن بنی قریظہ نے نئے سرے سے معاہدہ کر لیا۔ جب جنگِ خندق میں تمام عرب قبائل اور بنی نضیر نے مل کر مدینہ کا محاصرہ کر لیا تو بنی قریظہ کو بھی ساتھ ملانے کی کوشش کی گئی۔ اس نازک موقعہ پر جب کہ مسلمان چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغے میں تھے، بنی قریظہ نے دشمنوں کا ساتھ دیا۔ جنگِ خندق کے بعد جب کفّار کا لشکر محاصرہ میں ناکام ہو کر تتر بتر ہو گیا تو مسلمانوں نے بنی قریظہ کی بستی کا محاصرہ کر لیا۔ بنی قریظہ اگر اب بھی صلح کی درخواست کرتے تو ان سے نرمی کا برتاؤ کیا جاتا۔ مگر وہ مقابلے کا ارادہ کر چکے تھے۔ تقریباً ایک مہینہ کے محاصرے کے بعد انہوں نے بھی اس شرط پر ہتھیار ڈال دیئے کہ انصار کے سردار حضرت سعد بن معاذ جو فیصلہ کریں، انہیں منظور ہوگا۔ سعد بن معاذ بنی قریظہ کے حلیف رہ چکے تھے اور یہودیوں کو خیال تھا کہ وہ اس تعلق کی بنا پر ان کے ساتھ رعایت برتیں گے۔ حضرتِ سعد بن معاذ نے توریت کے مطابق فیصلہ دیا کہ ان کے لڑنے والے قتل کر دیئے جائیں۔ عورتیں اور بچّے قید ہوں اور مال و اسباب مالِ غنیمت قرار دیا جائے۔ چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق بنی قریظہ قتل کر دیئے گئے۔

باب ۹

جنگِ خندق ۵ھ

وجہ تسمیہ اس لڑائی کا دوسرا نام جنگِ احزاب یعنی تمام عرب کی متحدہ جنگ (احزاب جمع حزب۔ بمعنی پارٹی۔یا گروہ) چونکہ اس لڑائی میں قریش، یہود اور دیگر عرب قبائل نے مل کر مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ اس لئے اس لڑائی کا یہ نام پڑ گیا۔ جنگِ خندق اسے اس لئے کہتے ہیں کہ اس جنگ میں مسلمانوں نے مدینہ کی حفاظت کے لئے ایک خندق کھود دی تھی۔

جنگِ خندق کے اسباب اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جنگِ اُحد کے بعد یہودیوں کی مخالفانہ سرگرمیاں تیز ہو گئیں۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ بنی قینقاع پہلے ہی مدینہ سے خارج کیا جا چکا تھا۔ جنگِ اُحد کے بعد چونکہ ان کے باقی ماندہ دو قبیلوں بنی نضیر اور بنی قریظہ سے نقضِ امن کا اندیشہ تھا اس لئے آں حضرتؐ نے ان سے معاہدوں کی تجدید کے لئے کہا۔ بنی قریظہ تو نیا معاہدہ کرنے پر راضی ہو گئے مگر بنی نضیر نے انکار کر دیا۔ اس پر مسلمانوں نے بنی نضیر کا محاصرہ کر لیا اور انہیں مسلسل عہد شکنی کی بنا پر جلاوطن کر دیا گیا۔ بنی نضیر مدینہ سے نکل کر خیبر میں آباد ہو گئے جو اس وقت یہودیوں کا ایک مضبوط مرکز تھا۔ جلاوطن ہونے کے بعد یہودیوں کے دل کی کسک اور بڑھ گئی اور انہوں نے اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کو روکنا چاہا لیکن ان میں از خود ایسا کرنے کی

ہمت نہ تھی۔ اس لئے ان کے چند سردار قریش کے پاس آئے اور انہیں اپنی مدد کا یقین دلا کر جنگ کے لئے اکسایا۔ ابوسفیان پہلے ہی تیار بیٹھا تھا۔ جنگِ احد سے واپس ہوتے وقت اس نے مسلمانوں کو دھمکی دی تھی کہ میں اگلے سال اس سے بھی زیادہ فوج لے کر آؤں گا۔ اس کے بعد یہ یہودی سردار بنی غطفان کے پاس گئے اور انہیں بھی جنگ پر آمادہ کر لیا۔ بنی غطفان کی بستیاں خیبر سے متصل تھیں اور وہ مدت سے یہودِ خیبر کے حلیف چلے آتے تھے۔ اس طرح عرب کے اور بہت سے قبیلے جن کی قریش سے دوستی تھی یا جو بنی غطفان اور یہودیوں کے حلیف تھے، ان کے ساتھ مل گئے۔ آخر میں ان لوگوں نے بنی قریظہ (یہودیوں کا تیسرا مشہور قبیلہ) کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ بنی قریظہ ابھی تک مدینہ کے ایک حصے میں آباد تھے۔ الغرض کفار اور یہودیوں کا ایک متحدہ لشکر جس کی تعداد دس ہزار (بعض مورخین کے نزدیک چوبیس ہزار) تھی۔ مدینہ کی طرف بڑھا۔

خندق کی تیاری

جب آں حضرتؐ کو دشمن کی تیاریوں کی اطلاع ملی تو آپؐ نے صحابہ سے مشورہ طلب کیا۔ چونکہ مسلمان تعداد میں بہت تھوڑے تھے اس لئے کھلے میدان میں دشمن کا مقابلہ ناممکن تھا۔ آخر یہی فیصلہ ہوا کہ مدینہ میں بیٹھ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ مدینہ کے ایک طرف اونچی پہاڑیاں تھیں۔ دوسری جانب مکانات اور نخلستان کا سلسلہ دُور تک چلا گیا تھا۔ صرف شمال کی طرف کا رُخ کھلا ہوا تھا۔ حضرتِ سلمان فارسی نے رائے دی کہ جس جانب سے دشمن کے حملے کا اندیشہ ہے اس طرف خندق کھود لی جائے اور مسلمان خندق کے اندر رہ کر جنگ کریں آپؐ نے اس مشورہ کو قبول کر لیا اور فوراً تین ہزار مسلمان خندق کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ خندق کی حدود آپؐ نے خود قائم کیں۔ دس گز زمین دس دس مسلمانوں پر تقسیم کر دی گئی۔ بیس دن کی محنتِ شاقہ

کے بعد خندق تیار ہو گئی۔ خندق کی کھدائی میں آپؐ بھی اپنے صحابہ کے دوش بدوش شریک تھے۔ کئی کئی دن فاقہ کرتے کرتے گذر جاتے تھے۔ بھوک کی شدت کو کم کرنے کے لئے آپؐ اور دیگر صحابہ نے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے۔ کہتے ہیں کہ خندق کی کھدائی کے دوران میں ایک سخت پتھر آ گیا جو کسی سے نہ ٹوٹتا تھا۔ آپؐ کدال لے کر نیچے اُتر گئے اور ایک ہی ضرب میں اسے پاش پاش کر دیا۔

مدینہ کا محاصرہ

ادھر خندق تیار ہوئی تھی کہ کفّار کا لشکر آ پہنچا۔ عرب والوں کے لئے خندق بالکل نئی چیز تھی اور وہ اسے پار کرنے کی کوئی تدبیر نہ جانتے تھے۔ اس لئے کچھ دنوں تک دونوں جانب سے صرف تیر اندازی کا مقابلہ ہوتا رہا۔ دشمن نے ہزار کوشش کی کہ وہ کسی طرح خندق کو پار کر کے مسلمانوں پر حملہ کریں مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے آخر ایک دن عام حملے کے لئے مقرر کر دیا گیا۔ اتفاق سے ایک جگہ خندق ذرا کم چوڑی تھی۔ وہاں سے چار کافر خندق کو پار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان میں سے ایک بہادر ایک ہزار آدمیوں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ حضرتِ علیؓ نے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ دوسرا خندق میں گر کر مرگیا اور باقی دو بھاگ گئے۔ حملہ کا یہ دن بہت سخت تھا۔ تمام دن لڑائی جاری رہی۔ یہی وہ دن تھا جب آن حضرتؐ اور بہت سے صحابہ کی چار نمازیں قضا ہوئیں۔ کیونکہ کفار کی مسلسل تیر اندازی اور سنگ باری کی وجہ سے اپنی جگہ سے ہٹنا ناممکن تھا۔ محاصرہ کی سختی اب انتہا کو پہنچ چکی تھی اور مسلمانوں پر کئی کئی دن فاقے سے گزر جاتے تھے۔ ایک دن چند صحابہ نے بیتاب ہو کر آپؐ کو اپنے پیٹ کھول کر دکھائے۔ جن پر پتھر بندھے

ہوئے تھے۔ اس پر آپ نے اپنا شکم مبارک کھولا تو اس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

حضرت صفیہؓ کی بہادری

مسلمانوں کی عورتیں اور بچے جس قلعے میں حفاظت کی خاطر بھیجے گئے تھے وہ بنی قریظہ کی بستی کے عین بالمقابل تھا۔ یہودی تمام مسلمانوں کو خندق کی مدافعت میں مصروف دیکھ کر اس پر حملہ کی تاک میں تھے۔ ایک دن ایک یہودی حالات معلوم کرنے کے لئے قلعہ کے پھاٹک کے پاس پہنچ گیا۔ حسان بن ثابت (مشہور اسلامی شاعر) عورتوں اور بچوں کے ساتھ اس قلعہ کی حفاظت پر مامور تھے۔ حضرتِ صفیہ (آنحضرتؐ کی پھوپھی) نے حسان سے کہا کہ نیچے اتر کر اس کو قتل کر دو۔ انہوں نے اپنی معذوری ظاہر کی۔ اس پر حضرتِ صفیہ خیمے کی ایک طناب لے کر خود نیچے اتر گئیں اور موقع تاک کر یہودی کے سر پر اس زور سے دے ماری کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ جب واپس قلعہ میں پہنچیں تو حسان سے کہا کہ اچھا اب اس کے ہتھیار وغیرہ چھین لاؤ۔ حسان نے کہا مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں۔ حضرتِ صفیہ پھر نیچے اتریں، اور یہودی کا سر کاٹ لائیں۔ اس سے یہودیوں کو یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی فوج قلعہ میں بھی متعین ہے۔

کفار میں پھوٹ اور محاصرہ کا اختتام

محاصرہ کی سختی نے مسلمانوں کو تو بیتاب کر ہی رکھا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی دشمن کی حالت بھی بری ہو رہی تھی۔ جوں جوں دن گذرتے گئے۔ ان کی پریشانیوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ اتنے بڑے لشکر کے لئے رسد وغیرہ کا انتظام کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ ایک طرف ان کے کھانے پینے کا سامان ختم ہو رہا تھا اور ان کے

جانور بھوکے مر رہے تھے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے خدائی لشکر یعنی آندھی اور جھکڑ بھیج دئیے۔ ایک رات اس زور کا طوفان آیا کہ کافروں کے خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں۔ اور چولھے پر ہانڈیاں اُلٹ اُلٹ گئیں۔ ادھر اتحادیوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ ان میں ایک غطفانی رئیس نعیم بن مسعود کا ہاتھ تھا۔ جو مسلمان ہو چکا تھا مگر کفار کو اس کا علم نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ بنی قریظہ نے جنگ میں اس شرط پر شرکت کی تھی کہ قریش ضمانت کے طور پر اپنے چند معزز آدمی بنی قریظہ کے سپرد کر دیں گے تاکہ قریش لڑائی کا فیصلہ ہوئے بغیر انہیں چھوڑ کر نہ چلے جائیں لیکن قریش نے یہ شرط پوری نہ کی۔ اس وجہ سے یہودیوں کے دل میں قریش کی طرف سے بدگمانی پیدا ہو گئی اور انہوں نے آنحضرت ؐ کو خفیہ پیغام بھیجا کہ اگر بنی نضیر کو مدینہ واپس آنے کی اجازت دی جائے تو وہ کفار کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ یہ بات آپؐ سے کسی طرح نعیم بن مسعود کو معلوم ہو گئی اور انہوں نے اسے قریش تک پہنچا دیا۔ اس سے قریش بھی بنی قریظہ سے بدگمان ہو گئے اور اس طرح قریش اور یہودیوں میں پھوٹ پڑ گئی۔

الغرض ایک مہینہ کے طویل محاصرے کے بعد حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ کفار خود بخود محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔ سردی کی شدت آندھی کا زور، محاصرے کے طول اور یہود کی علیحدگی نے قریش کو بددل کر دیا اور ابوسفیان نے واپسی کا حکم دے دیا۔ اب کفار ایسے بھاگے کہ پھر کبھی مدینہ کا رُخ نہ کیا۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کے چھ افراد شہید ہوئے اور صرف چار کافر مارے گئے۔

محاصرے کے اختتام پر بنی قریظہ کا اخراج عمل میں آیا۔ بنی قریظہ نے بڑے نازک موقعہ پر مسلمانوں سے غداری کی تھی۔ اس لئے انہیں اس

غدّاری کی بڑی عبرت ناک سزا دی گئی۔ اس واقعہ کی تفصیل پہلے دی جا چکی ہے۔

جنگِ خندق کی اہمیّت

جنگِ بدر کی طرح جنگِ خندق بھی اسلام کی تاریخ میں ایک موڑ (TURNING POINT) کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے کئی مفید نتائج برآمد ہوئے۔

۱۔ جنگِ خندق مسلمانوں کے لئے ایک کڑی آزمائش تھی۔ لیکن آخرکار وہ اس آزمائش سے سرخرو ہو کر نکلے۔ کفار نے اس سے پہلے اتنی بڑی جمعیّت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ نہ کیا تھا۔ اس سے مسلمانوں کو اپنی قوّت کا اندازہ ہو گیا کہ کفار اپنی زیادہ سے زیادہ جمعیّت کے ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں کو مغلوب نہیں کر سکتے۔

۲۔ مسلمانوں کے لئے مدافعانہ جنگ کا دور ختم ہو گیا۔ اس کے بعد دشمنوں کو کبھی اتنی ہمّت نہ ہوئی کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کر سکیں۔ اب پہل (INITIAT VE) مسلمانوں کے ہاتھ میں آگئی۔

جنگِ خندق میں کفّار کی پسپائی سے مدینہ کے آس پاس کے قبیلوں پر بڑا اچھا اثر پڑا۔ اب وہ خود بخود مسلمانوں کے حلیف بن گئے اور ان میں اسلام بھی سرعت سے پھیلنا شروع ہو گیا۔ اس سے نہ صرف مذہبی لحاظ سے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا بلکہ سیاسی اعتبار سے بھی مسلمان مضبوط ہو گئے۔

باب ۱۰

صلح حدیبیہ ۶ھ

حج کے لئے مکّہ کا قصد

آں حضرتؐ اور دیگر صحابہ کو مکّہ چھوڑے چھ سال گزر چکے تھے۔ اس لئے قدرتی طور پر اپنا پیارا وطن دیکھنے کے لئے بے تاب تھے۔ اب ان میں اتنی طاقت تھی کہ اگر کافر مزاحمت کریں تو وہ اس کا منہ توڑ جواب دیں علاوہ ازیں اکثر مہاجرین کے اہل وعیال ابھی تک مکّہ میں تھے۔ اور وہ انہیں ملنے کے لئے بے قرار تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلمانوں کے دل میں خانۂ خدا کے لئے اتنی ہی عقیدت تھی جتنی کہ کفّار کو۔ کہا جاتا ہے کہ آں حضرتؐ نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ صحابہ کے ساتھ خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ یہ خواب ایک قسم کا غیبی اشارہ تھا۔ ان اسباب کی بنا پر ۶ھ کے اختتام پر آپؐ نے حج کی تیاریاں شروع کر دیں۔ صحابہ نے جب یہ سنا تو ان کے چہرے فرطِ مسرت سے کھل گئے اور چودہ سو مسلمان آپؐ کے ہمرکاب چلنے کے لئے تیار ہو گئے چونکہ آپؐ کی نیت صرف حج کی تھی جنگ کی نہ تھی۔ اس لئے حکم دے دیا کہ کوئی ہتھیار باندھ کر نہ چلے صرف تلوار ساتھ رکھ لی جائے اور وہ بھی نیام میں بند ہو۔ یہ احتیاط اس لئے کی گئی تھی کہ قریش کو یہ اندیشہ نہ ہو کہ مسلمان مکّہ پر حملہ کی نیت سے آ رہے ہیں۔

قریش کو جب مسلمانوں کے آنے کی اطلاع ملی تو انہوں نے بھی مقابلہ

کی ٹھان لی۔ اور خالد بن ولید کو (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) ایک دستہ کے ساتھ مسلمانوں کی خبر لانے کے لئے بھیجا۔ آپؐ خالد کے راستہ سے کترا کر آگے بڑھ گئے۔ اور حدیبیہ کے مقام پر پہنچ کر ڈیرے ڈال دئے۔ مکہ یہاں سے صرف ایک منزل پر تھا۔

صُلح کی گفتگو

یہاں پہنچ کر آپؐ نے بدیل بن ورقا خزاعی کو قریش کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ہم لوگ حج کی نیت سے آئے ہیں، لڑائی کے لئے نہیں۔ لیکن قریش نے بدیل کی بات پر بھروسہ نہ کیا اور ایک سردار حلیس بن علقمہ کو اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کے حالات دیکھنے کے لئے بھیجا۔ حلیس نے واپس جاکر اس بات کی تصدیق کی کہ مسلمان واقعی حج کے لئے آئے ہیں۔ اس نے قریش کو مشورہ دیا کہ مسلمانوں کو روکنا مناسب نہیں۔ مگر قریش نے حلیس کی بات بھی نہ مانی لیکن وہ جنگ سے گھبراتے بھی تھے۔ چونکہ گذشتہ چھ سال کی مسلسل جنگوں میں انہیں کافی جانی اور مالی نقصان ہوا تھا اس لئے وہ خود بھی صُلح کے خواہاں تھے۔ اس غرض کے لئے انہوں نے اپنے ایک سردار عروہ بن مسعود کو آپؐ کے پاس بھیجا۔ عروہ نے آپؐ کی خدمت میں پہنچ کر کہا کہ اے محمدؐ! تم اپنی قوم کو خود مٹانے کے لئے آئے ہو۔ قریش نے عہد کر لیا ہے کہ وہ تم کو زبردستی ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ اگر جنگ ہوئی تو تمہارے ساتھی تم کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ کو یہ سن کر غصہ آگیا اور اُن کی عروہ سے جھڑپ ہو گئی۔ یہ گفتگو کوئی نتیجہ خیز تو نہ نکلی لیکن آنحضرتؐ کے ساتھ صحابہؓ کی بے پناہ عقیدت نے عروہ کے دل پر بہت اثر کیا واپس جا کر اُس نے قریش سے کہا کہ "میں نے قیصر و کسریٰ کے دربار دیکھے ہیں لیکن جو شان محمدؐ کی ہے وہ میں نے کسی بادشاہ کی نہیں دیکھی اُن کے ساتھی اُن کے وضو کے پانی کو زمین پر نہیں گرنے دیتے۔ فرطِ آداب سے ان کے سامنے بلند

آواز سے نہیں بولتے اور اُن کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتے۔ اے قریش! تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ تم اُن سے نہ اُلجھو۔ اور جس مقصد کے لئے وہ آئے ہیں اُسے پورا کرنے دو"۔ لیکن عروہ کے مشورے کے باوجود قریش ابھی تک بدگمان تھے اور صلح پر آمادہ نہ تھے۔

بیعتِ رضوان چونکہ عروہ کے ساتھ صلح کی گفتگو ناتمام رہی تھی اِس لئے رسولِ اکرمؐ نے قریش کی طرف قاصد بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ اِس کام کے لئے پہلے آپ نے حضرت عمرؓ کو منتخب کیا لیکن انہوں نے معذرت کی کہ قریش میرے سخت دشمن ہیں اور مکہ میں میرے قبیلہ کا ایک شخص بھی نہیں جو مجھے بچا سکے۔ اِس پر آپؐ نے حضرت عثمانؓ (اپنے داماد) کو قریش کی طرف بھیجا۔ چونکہ وہ بنی امیہ کے خاندان سے تھے اور اس وقت مکہ میں بنی امیہ کا اثر و رسوخ تھا اس لئے انہیں کوئی گزند پہنچنے کا احتمال نہ تھا۔ لیکن کفّار نے اُن کو نظر بند کر لیا۔ جب حضرت عثمانؓ واپس نہ آئے تو مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے۔ اِس خبر سے مسلمانوں میں بڑا جوش پھیل گیا۔ اور مرنے مارنے پر تُل گئے۔ جب آپ نے خبر سُنی تو فرمایا اب ہم جنگ کئے بغیر نہ لوٹیں گے کیکر کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر آپؐ نے صحابہؓ کرام سے جان کی قربانی کا وعدہ لیا۔ اِس وعدہ کو بیعتِ رضوان کہا جاتا ہے۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ نے اس وعدہ پر اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا۔ یہ تاریخ اِسلام کا ایک بہت بڑا واقعہ ہے اور قرآن پاک (سورہ فتح) میں اِس بیعت اور درخت کا ذکر ہے۔

صلح حدیبیہ اِس واقعہ کی خبر جب قریش کو پہنچی تو وہ ڈر گئے۔ دراصل وہ بھی جنگ کے لئے تیار نہ تھے۔ اِن کا مقصد صرف اتنا تھا کہ آنحضرتؐ سے حیل و حجت کر کے بہتر شرائط منوا لی جائیں۔ اِنہوں

نے حضرت عثمانؓ کو چھوڑ دیا اور اُس کے ساتھ ہی سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر آپؐ کے پاس بھیجا آپؐ کا ارادہ پہلے ہی سے جنگ کا نہ تھا۔ اِس لئے مختصر سی گفتگو کے بعد چند شرطوں پر اتفاق ہو گیا۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو صلح کی شرائط لکھنے کے لئے بلایا۔ حضرت علیؓ نے صلحنامہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کیا تو سہیل نے اعتراض کیا کہ عرب کے پرانے دستور کے مطابق باسمک اللّٰھم لکھو۔ آنحضرتؐ نے اُسے منظور فرما لیا اِس کے آگے کا فقرہ تھا کہ یہ معاہدہ محمدؐ رسول اللہ اور قریش کے درمیان ہے۔ سہیل نے اِس پر بھی اعتراض کیا اور کہا کہ اگر ہم آپؐ کو رسول اللہ تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ آپؐ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ اچھا "رسول اللہ" کے الفاظ مٹا دو اور صرف محمدؐ بن عبداللہ لکھو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ میں اپنے ہاتھ سے یہ الفاظ نہیں مٹا سکتا۔ اِس پر آپؐ نے صلح جوئی کی خاطر یہ الفاظ مٹا دیئے۔ صلح حدیبیہ کی شرائط حسب ذیل تھیں

(۱) دس سال تک مسلمانوں اور قریش میں لڑائی نہ ہو گی۔

(۲) اس سال رسول اکرمؐ اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس چلے جائیں گے۔ اگلے سال آئیں مگر تلوار کے سوا جو نیام میں ہو اور کوئی ہتھیار نہ لائیں۔ تین دن تک مکہ میں رہیں اور حج کر کے واپس چلے جائیں۔

(۳) قبائل عرب کو اختیار ہو گا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ کر لیں۔

(۴) مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے اگر کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے اُسے نہ روکیں

(۵) اگر مکہ میں سے کوئی شخص (مسلمان ہو یا کافر) مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں آئے تو اُسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

ابوجندل کا واقعہ

بظاہر یہ شرائط مسلمانوں کے خلاف تھیں خاص طور پر آخری شرط مسلمانوں کو سخت ناگوار گذری۔ اتفاق یہ ہوا کہ جب یہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا۔ قریش کے سفیر سہیل کا لڑکا ابو جندل جو مسلمان ہو چکا تھا کافروں کی قید سے بھاگ کر وہاں آ پہنچا اس کے بدن پر ابھی تک کفار کی ایذا رسانی کے نشان موجود تھے سہیل نے اپنے بیٹے کی واپسی کا مطالبہ کیا اور کہا کہ "اے محمدؐ! صلحنامے پر عمل کرنے کا یہ پہلا موقعہ ہے"۔ مسلمان بہت مضطرب تھے اور حضرت عمرؓ نے تو اپنے اضطراب اور ناراضگی کا اظہار بھی کر دیا (بعد میں حضرت عمرؓ اپنے فعل پر سخت نادم ہوئے اور گناہ کو بخشوانے کے لئے کئی نمازیں پڑھیں اور روزے رکھے) لیکن آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص ہم کو چھوڑ کر کافروں میں چلا جائے گا اُس کا ہم سے دُور ہی ہو جانا بہتر ہے اور جو اُنہیں چھوڑ کر ہمارے پاس آئے گا اور ہم اُسے واپس کر دیں گے تو اللہ تعالےٰ اُس کے چھٹکارے کی کوئی نہ کوئی سبیل پیدا کر دے گا۔

ابو جندل کے واقعہ نے مسلمانوں کے جذبات کو اور بھڑکا دیا۔ وہ اسے اپنی کمزوری اور توہین کی علامت سمجھتے تھے اور اس کی تعمیل میں پس و پیش کر رہے تھے۔ چنانچہ صلحنامہ کی تکمیل ہو جانے کے بعد بھی وہ اپنے احرام (حج کا لباس) اتارنے پر اُس وقت تک تیار نہ ہوئے جب تک کہ خود آپؐ نے اپنا احرام نہ کھول دیا۔ اس طرح آپؐ اور آپؐ کے ساتھی صلحنامے کی شرائط کے مطابق حج کئے بغیر واپس چلے گئے۔

صلح حدیبیہ کی اہمیت

جس وقت یہ صلح ہوئی۔ مسلمان اسے اپنی کمزوری اور شکست سمجھتے تھے۔ لیکن قرآنِ پاک میں اسے "فتحِ مبین" یعنی کھلی فتح کا نام دیا گیا اور درحقیقت یہ صلح فتح ہی ثابت ہوئی۔ گو یہ فتح مادی نہیں، روحانی تھی۔ مسلمان اُس

وقت تو اس راز کو نہ سمجھ سکے۔ لیکن بعد کے واقعات اور نتائج نے اس کو ثابت کر دیا :۔

۱۔ صلح حدیبیہ اسلام کی ترقی میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے مسلسل لڑائیوں اور خون خرابہ کی وجہ سے کفّار کو مسلمانوں سے ملنے اور ان کے مذہب کو مطالعہ کرنے کا موقعہ نہ ملتا تھا۔ اب کفّار آزادانہ مدینہ میں آنے جانے لگے اور انہیں اسلام کو سمجھنے کے مواقع ملے تو وہ خود بخود اسلام کی طرف کھنچنے لگے مؤرخین کا بیان ہے کہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔

۲۔ حضرت خالدبن ولید (فاتح شام) اور حضرت عمرو ابن العاص (فاتحِ مصر) اس زمانے میں اسلام لائے اور ان کے اسلام لانے سے مسلمانوں کی قوت میں کافی اضافہ ہو گیا۔ یہ دونوں عرب کے مانے ہوئے جرنیل تھے۔

۳۔ صلح حدیبیہ کے بعد آنحضرتؐ کو قریش کی طرف سے اطمینان حاصل ہوا اور امن قائم ہو گیا تو آپؐ کو عرب سے باہر کی دُنیا کو اسلام کا پیغام پہنچانے کا موقعہ ملا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد آپؐ نے پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ مختلف ممالک کے بادشاہوں اور سرداروں کے پاس تبلیغی خطوط بھیجے۔ جن کی وجہ سے اسلام کا تذکرہ دوسرے ممالک تک بھی پہنچ گیا۔

۴۔ اس صلح کا ایک اور فائدہ یہ ہوا کہ جب مکہ والوں سے کوئی خدشہ نہ رہا تو چھوٹے چھوٹے مخالفین کی سرکوبی میں آسانیاں پیدا ہو گئیں۔ اس کے بعد کسی کو مخالفت کی جرأت نہ ہوئی۔

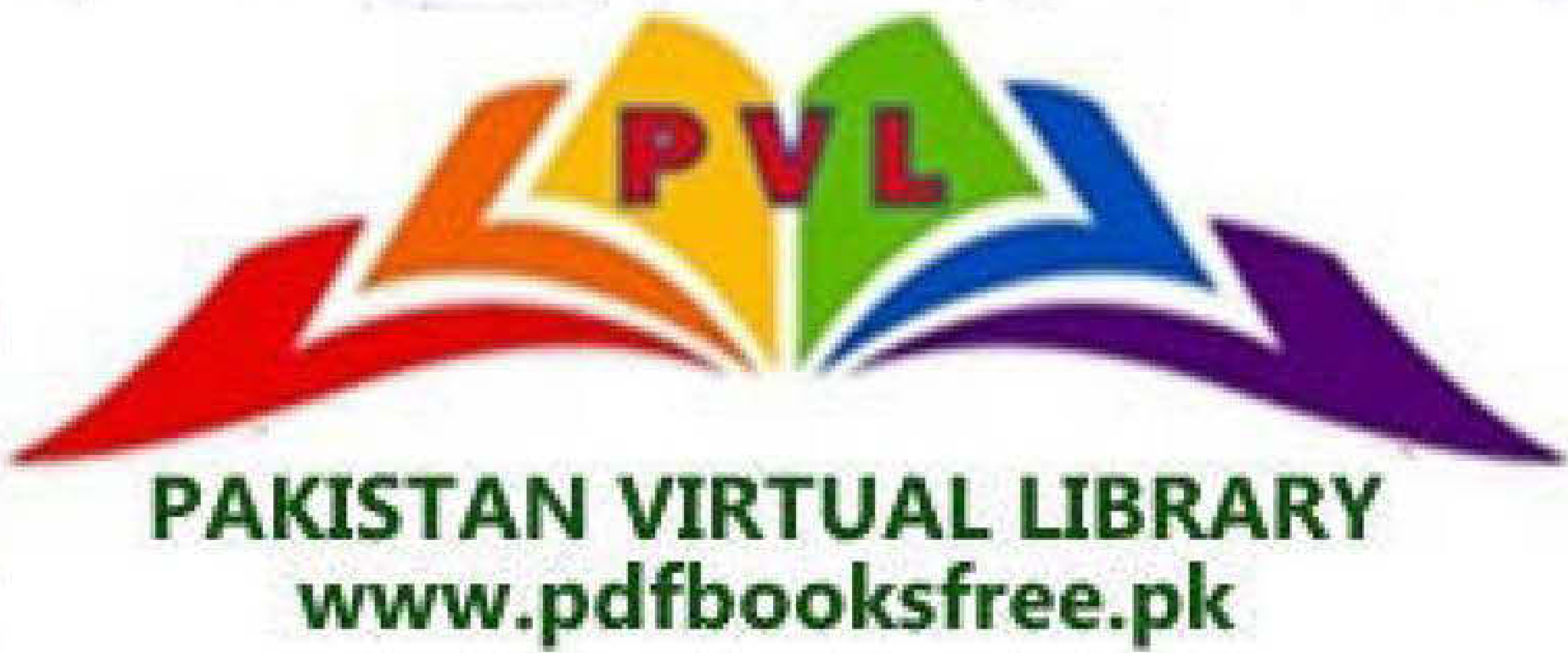
۵۔ صلح حدیبیہ نے عرب کی سیاسی وحدت میں بڑی مدد دی۔ اب تک مکہ اور مدینہ دو مختلف علاقے سمجھے جاتے تھے۔ مدینہ کے باشندوں کو مکہ اور اہلِ مکہ سے کچھ زیادہ تعلق نہ تھا۔ ماسوائے اس کے کہ وہ بھی دیگر عرب قبائل کی طرح کعبہ کو مقدس مانتے تھے اور حج کے لئے آتے تھے۔ لیکن اب صلح حدیبیہ کی وجہ سے مکہ اور مدینہ میں پھر آمد و رفت شروع

ہوگئی اور جوں جوں اسلام ترقی کرتا چلا گیا، عرب کی سیاسی اور مذہبی وحدت بھی ترقی کرتی گئی۔

صلح حدیبیہ میں ترمیم

اس سے پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ مسلمان صلح حدیبیہ کی پانچویں شرط پہ خاص طور پہ برہم تھے۔ وہ اسے اپنی توہین سمجھتے تھے کہ اگر مکہ سے کوئی آدمی مدینہ آجائے تو وہ اسے واپس کرنے پر مجبور ہوں۔ لیکن اگر کوئی مسلمان کفارِ مکہ کے ہاتھ آجائے تو وہ اسے واپس نہ کریں۔ ابو جندل کے واقعہ نے انہیں اور بھی برہم کر دیا۔ آنحضرتؐ نے اس وقت یہ کہہ کر ان کی ناراضگی کو دور کرنے کی کوشش کی تھی کہ جو مسلمان کفارِ مکہ کے قبضہ میں ہیں اللہ تعالیٰ ان کے چھٹکارے کی بھی کوئی نہ کوئی سبیل پیدا کر دے گا۔ آپؐ کی یہ بات سچ ثابت ہوئی جو مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے ان میں سے ایک منچلے ابو بصیر بھاگ کر مدینہ آگئے۔ جب قریش کو اس کی خبر ملی تو انہوں نے دو آدمی آنحضرت صلعم کے پاس ابو بصیر کی واپسی کا مطالبہ کرنے کے لئے بھیجے۔ آپؐ نے صلح کی شرائط کی پابندی کرتے ہوئے ابو بصیر کو ان آدمیوں کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ ابو بصیر کو طوعاً وکرہاً اپنے آپ کو قریش کے آدمیوں کے حوالے کرنا پڑا۔ جب یہ تینوں ذوالحلیفہ (مدینہ سے چھ میل دور ایک بستی) کے پاس پہنچے تو ناشتہ کے لئے ٹھہر گئے۔ ابو بصیر نے ان میں سے ایک سے کہا کہ "تمہاری تلوار بہت اچھی ہے۔" دوسرے نے چمک کر کہا کہ "میری تلوار اس سے بھی اچھی ہے"۔ ابو بصیر نے کہا: "لاؤ، دکھاؤ تو" اس نے اپنی تلوار ان کے ہاتھ میں دے دی، انہوں نے اسی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ دوسرا خوف زدہ ہو کر بھاگ گیا۔ ابو بصیر نے سمندر کا راستہ لیا اور ساحل کے نزدیک اپنا ڈیرہ جما لیا۔ جب مکہ کے ستم رسیدہ مسلمانوں کو اس واقعہ کی خبر ملی تو وہ بھی بھاگ بھاگ کر ابو بصیر کے پاس پہنچنے لگے۔ تھوڑے ہی دنوں میں

بہت سے مسلمان وہاں جمع ہو گئے، اور اب انہوں نے باقاعدہ قریش کے تجارتی قافلوں پر حملے کرنے شروع کر دئے۔ قریش نے ان حملوں سے تنگ آکر ایک سرکاری وفد مدینہ بھیجا اور معاہدہ کی اس شرط سے دست بردار ہو گئے۔ ساتھ ہی انہوں نے آں حضرت صلعم سے یہ درخواست کی کہ ابوبصیر اور اس کے ساتھیوں کو مدینہ بلا لیا جائے۔ آپؐ نے ان جلا وطن مسلمانوں کو لکھ بھیجا کہ وہ مدینہ چلے آئیں۔ اس پر ابوبصیر اور اس کے ساتھی مدینہ آ گئے۔ اس کے بعد قریش نے کسی مسلمان سے مدینہ جانے پر تعرض نہ کیا۔



باب ۱۱

صلح حدیبیہ (۶ھ) اور فتح مکہ (۸ھ)

کے درمیان متفرق واقعات

سلاطین کے نام خطوط۔ فتح خیبر۔ جنگِ موتہ

سلاطین کے نام خطوط

صلح حدیبیہ کے بعد آپؐ کو فراغت نصیب ہوئی تو آپؐ نے ملک عرب سے باہر اسلام کی تبلیغ پر توجہ فرمائی۔ اس سلسلے میں آپؐ نے روم۔ ایران۔ حبش۔ مصر، شام، بحرین۔ عمان۔ یمن اور کئی دوسرے ممالک کے حکمرانوں کو تبلیغی خطوط لکھے۔ احادیث میں ہے کہ آپ نے اس غرض سے ایک چاندی کی مہر حسین بنوائی۔ اوپر کی سطر میں "اللہ" درمیان میں "رسول" اور نیچے "محمدؐ" کے الفاظ کھدے ہوئے تھے جب آپؐ کسی بادشاہ کو خط لکھتے تو یہ مُہر لگا دیتے۔ حال میں آپؐ کا ایک فرمان ملا ہے جس سے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔

رومی سلطنت کے اس وقت دو حصے ہو چکے تھے مشرقی حصے کا دارالحکومت قسطنطنیہ تھا۔ عرب شہنشاہِ قسطنطنیہ کو قیصرِ روم کہتے تھے قیصر روم کے نام حضرت دحیہ کلبی خط لے کر گئے۔ قیصر روم اس وقت بیت المقدس کی زیارت کے لئے آیا ہوا تھا۔ یہ خط اس کو وہیں پہنچایا گیا۔

خط پاکر اس نے حکم دیا کہ اگر میری حدودِ سلطنت میں عرب کا کوئی باشندہ ہو تو حاضر کیا جائے۔ اتفاق سے اس وقت ابوسفیان تجارت کے سلسلہ میں شام گیا ہوا تھا۔ چنانچہ اسے دربار میں پیش کیا گیا۔ قیصر نے ابوسفیان سے اسلام اور آنحضرتؐ کے متعلق چند سوالات پوچھے۔ ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہ ہوا تھا بلکہ اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ لیکن اس نے تمام سوالات کا صحیح جواب دیا۔ مسلمان مورخین بیان کرتے ہیں کہ قیصر کو اسلام کی سچائی کا یقین ہو گیا۔ لیکن اس نے اپنے مذہبی راہنماؤں اور اُمراء کے ڈر سے اسلام قبول نہ کیا۔

دوسرا خط خسرو پرویز شہنشاہِ ایران کے نام تھا۔ اس خط میں عرب کے عام دستور کے مطابق بھیجنے والے (یعنی آں حضرتؐ) کا نام پہلے اور مکتوب الیہ (یعنی شہنشاہِ ایران) کا نام بعد میں لکھا ہوا تھا۔ خسرو اس پر بہت برہم ہوا، اور آپؐ کا نامۂ مبارک چاک چاک کر دیا۔ کہتے ہیں کہ جب آپؐ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کی سلطنت پرزے پرزے ہو جائے گی۔ آپؐ کی یہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی کیونکہ تھوڑے ہی دنوں میں مسلمانوں نے اُس کی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

مسلمانوں میں یہ روایت بھی مشہور ہے (نظامی گنجوی نے اپنی مشہور مثنوی "شیریں خسرو" میں اس کا ذکر کیا ہے) کہ اس کمبخت نے اسی پر بس نہ کی بلکہ یمن کے ایرانی گورنر باذان کو لکھ بھیجا کہ اس مدعیٔ نبوت کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیجو۔ باذان نے دو شخص اس مقصد کے لئے مدینہ روانہ کئے۔ جب وہ شخص دربارِ رسالت میں پہنچے تو آں حضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ باذان سے جاکر کہہ دو کہ تمہارا شہنشاہ مر گیا ہے۔ جب وہ واپس یمن پہنچے تو اطلاع آچکی تھی کہ خسرو پرویز کو اس کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے۔

تیسرا خط نجاشی شاہِ حبش کے نام تھا۔ نجاشی اس سے پہلے بھی اسلام

سے روشناس ہو چکا تھا اور مسلمان مہاجرین (حضرت جعفر بن ابو طالب وغیرہ) ابھی تک اس کی سلطنت میں موجود تھے۔ نجاشی آپؐ کے قاصد کے ساتھ نہایت عزت واحترام سے پیش آیا۔ مسلمانوں کی روایات میں تو یہاں تک ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا اور جب وہ فوت ہوا تو آن حضرتؐ نے اس کی نمازِ جنازہ غائبانہ پڑھی۔

آپؐ نے مقوقس شاہِ مصر (دراصل وہ رومیوں کے ماتحت مصر کا گورنر ہو گا۔) کے نام بھی خط لکھا۔ مقوقس نے اسلام تو نہ قبول کیا لیکن نجاشی کی طرح آپؐ کے نامۂ مبارک کی بڑی توقیر کی اور اسے ہاتھی دانت کی ڈبیہ میں محفوظ کر دیا۔ اس کے علاوہ اُس نے آپؐ کی خدمت میں متعدد تحائف بھیجے۔ جن میں ایک لڑکی ماریہ قبطیہ (MARY THE COPT) بھی تھیں۔ آپؐ نے اس سے نکاح کر لیا اور اس کے بطن سے آپؐ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے۔

ان کے علاوہ آپؐ نے شام، بحرین، بصریٰ، یمامہ وغیرہ کے حکمرانوں کو بھی خطوط لکھے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ ان کا ردِ عمل کیا تھا۔ مسلمانوں کی روایات میں ہے کہ ان میں سے ایک دو تو ایمان لے آئے لیکن بعض دوسروں نے جواب تک نہ دیا اور آپؐ کے قاصدوں کے ساتھ بدسلوکی کی۔ اس موخر الذکر گروہ میں شرجیل حاکم شام تھا۔ جس نے آپؐ کے قاصد کو قتل کرا دیا۔ (جنگِ موتہ اسی کا نتیجہ تھی) آپ نے اپنا یہ فرضِ منصبی نتائج سے بے پروا ہو کر ادا کیا تھا کہ کوئی آپؐ کی بات سنتا ہے یا نہیں۔ بایں ہمہ ان تبلیغی خطوط کا بہت اچھا اثر ہوا۔ جن بادشاہوں نے اسلام قبول نہ کیا ان کے ملکوں میں بھی اسلام کا چرچا ہونے لگا اور رفتہ رفتہ غیر ممالک کے لوگ اس نئے مذہب اور اس کی تعلیمات سے آشنا ہو گئے۔ تبلیغی خطوط بھیجنے سے آپؐ کا مقصد یہی تھا۔

فتح خیبر

الف۔ خیبر پر حملہ کے اسباب

مدینہ سے یہودیوں کے اخراج کے بعد خیبر عرب میں یہود کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ خیبر مدینہ سے شمال مشرق کی طرف تقریباً دو سو میل کی مسافت پر تھا اور نہایت زرخیز وادی میں واقع تھا۔ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ بنی نضیر مدینہ سے نکلنے کے بعد خیبر ہی میں آباد ہوئے تھے۔ یہ لوگ جلا وطن ہونے کے بعد یہاں کے یہودیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے۔ یہ بنی نضیر ہی تھے جو جنگِ خندق میں تمام عرب قبائل کو مدینہ پر چڑھا لائے تھے۔ مدینہ پر حملہ، قریش کے ترکش کا آخری تیر تھا۔ اس کے بعد قریش کو مسلمانوں کے خلاف جارحانہ کارروائی کی ہمت نہ ہوئی۔ لیکن بنی نضیر جنہوں نے یہ تمام آفت ڈھائی تھی خیبر میں مامون و محفوظ تھے۔ جب تک مسلمان قریش سے اُلجھے رہے انہیں یہودِ خیبر کی مخالفانہ کارروائیوں کے تدارک کا موقعہ نہ ملا۔ صلحِ حدیبیہ کے بعد مسلمان خیبر کی طرف متوجہ ہوئے۔ خیبر اب اسلام کا سب سے بڑا حریف اور مسلمانوں کے لئے سب سے خطرناک مقام تھا۔ خیبر کے قریب ہی عرب کا بہادر قبیلہ بنی غطفان آباد تھا۔ یہ لوگ ہمیشہ سے یہودِ خیبر کے حلیف چلے آ رہے تھے۔ عین جب صلحِ حدیبیہ لکھی جا رہی تھی، تو یہودِ خیبر نے بنی غطفان کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کر لیا اس لئے خیبر پر حملہ ضروری ہو گیا۔

ب۔ معرکہ خیبر

مکہ سے واپس آکر آنحضرتؐ صرف بیس دن مدینہ میں ٹھہرنے کے بعد سولہ سو مسلمانوں کو ساتھ

لے کر خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ کیونکہ اس دوران میں اطلاع آ چکی تھی کہ یہودِ خیبر اور بنی غطفان مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ چونکہ اندیشہ تھا کہ بنی غطفان، اہلِ خیبر کی امداد کو ضرور آئیں گے، اس لئے آپؐ نے اپنی فوجیں بنی غطفان اور خیبر کے درمیان اتاریں۔ بنی غطفان یہودیوں کی امداد کے لئے نکلے لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ خود ان کا گھر خطرہ میں ہے تو وہ واپس چلے گئے۔

خیبر میں یہودیوں کے چھ مضبوط قلعے تھے، ان میں ناعم اور قموص خاص طور پر مشہور تھے۔ ناعم میں وہ رسد اور سامانِ جنگ کے ذخیرے رکھتے تھے اور قموص ان کا سب سے مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا۔ یہودیوں کا مشہور بہادر مرحب جو ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا، اسی قلعہ میں رہتا تھا۔ مسلمانوں نے خیبر پہنچ کر سب سے پہلے ناعم پر حملہ کیا اور اسے بآسانی فتح کر لیا۔ لیکن یہودیوں کی فوجی طاقت کا اصلی مرکز قموص تھا۔ اس قلعہ کو سر کرنے کے لئے سب سے پہلے حضرتِ ابوبکرؓ اور عمرؓ بھیجے گئے۔ لیکن یہ قلعہ ان سے سر نہ ہو سکا۔ آن حضرتؐ نے اعلان فرمایا کہ کل ہم اس شخص کو اپنا عَلَم (جھنڈا) دیں گے جو خیبر کو فتح کرے گا۔ سب صحابہؓ بے قرار تھے کہ یہ کون خوش نصیب شخص ہے۔ صبح ہوئی تو آپؐ نے حضرتِ علیؓ کو طلب فرمایا اور اسلامی عَلَم اُن کے ہاتھ میں دے دیا۔ یہ ایک بالکل غیر متوقع بات تھی کیونکہ حضرت علیؓ کی آنکھیں دُکھتی تھیں اور وہ لڑائی میں حصہ لینے سے معذور تھے۔ لیکن آپؐ کی دُعا سے حضرتِ علیؓ کی آنکھیں درست ہو گئیں۔ حضرتِ علیؓ نے پہلے ہی ہلّے میں یہودیوں کے بہادر سردار مرحب کو قتل کر دیا۔ کہتے ہیں کہ اس معرکے میں آپؓ کی ڈھال ہاتھ سے گر پڑی تو آپ نے خیبر کا دروازہ اُکھاڑ لیا اور اسے بطورِ سپر استعمال کیا۔ مرحب کے قتل کے بعد یہودیوں نے عام حملہ کیا۔ لیکن وہ پسپا ہوئے اور آخرکار بیس دن کے

محاصرے کے بعد خیبر فتح ہو گیا۔

خیبر فتح ہونے کے بعد خیبر کی زمینوں پر مسلمانوں کا حق تھا اور اس زمانے میں فاتح قومیں مفتوح قوموں سے یہی سلوک کیا کرتی تھیں۔ لیکن آپ نے ایک نئی مثال قائم کر دی۔ یہودیوں کی زمینیں ان کو اس شرط پر واپس دے دی گئیں کہ وہ ان کی آدھی پیداوار بطور سالانہ خراج دیا کریں۔ جب فصل تیار ہو چکتی تو آپؐ کسی معزز صحابی کو بھیجتے جو پیداوار کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتے اور یہودیوں سے کہتے کہ جو حصہ چاہو لے لو۔ یہودی اس عدل و انصاف پر حیران ہوتے تھے۔ (شبلی۔ اوّل ۴۸۱)

ج : خیبر کی اہمیت

(۱) مکہ کے بعد خیبر اسلام کے مخالفین کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اور مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا خطرناک۔ اب مرکز ٹوٹ گیا۔ کفارِ مکہ اور یہودی اگرچہ مذہباً مختلف تھے۔ لیکن سیاسی اسباب کی بنا پر وہ متحد ہو گئے تھے۔ خیبر کی فتح سے مشرکین کا ایک بازو جاتا رہا۔ اور فتحِ مکہ کے لئے آسانیاں پیدا ہو گئیں۔ فتحِ خیبر، فتح مکہ کا دیباچہ ثابت ہوئی۔

۲۔ خیبر کی فتح کے بعد یہودیوں کی طاقت ٹوٹ گئی۔ اور وہ عرب میں ایک بے اثر اقلیت کی حیثیت سے رہ گئے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی ریشہ دوانیاں ختم ہو گئیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ تک وہ اپنی مفسدانہ سرگرمیوں سے باز نہ آئے۔ اور آخر کار حضرت عمرؓ نے انہیں خیبر سے نکال کر شام میں آباد کیا۔ اور اس طرح سرزمینِ عرب نامسلموں سے بالکل پاک ہو گئی۔

۳۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کی تکمیل بتدریج ہوئی ہے۔ فتح خیبر تک آنحضرت صلعم کو اتنا موقعہ نہ تھا کہ آپؐ بجز بنیادی عقائد اور عنصری عبادات کے اور کوئی تعلیم مسلمانوں کو دے سکیں۔ اب فتح خیبر کے بعد ایک طرف تو یہودیوں سے نجات ملی اور دوسری طرف کفارِ مکہ سے اطمینان ہوا۔ اب

آں حضرتؐ کو اتنی فرصت تھی کہ آپ مسلمانوں کی سماجی زندگی کو ایک نئے نظام میں ڈھال سکیں۔ چنانچہ فتحِ خیبر کے بعد مسلمانوں کی سماجی زندگی میں کئی تبدیلیاں کی گئیں۔ مثلاً وحی کے ذریعہ سے بعض خاص قسم کے جانور اور پرندے حرام قرار دئے گئے۔ اسی طرح بعض بُری رسمیں ناجائز قرار دی گئیں۔

فتح خیبر سے اسلام کے سیاسی نظام کا بھی آغاز ہوتا ہے۔ اب تک مسلمانوں نے جتنی لڑائیاں لڑی تھیں وہ دفاعی تھیں۔ خیبر پہلی جنگ ہے جس میں غیر مسلم رعایا بنائے گئے۔ اُن کے ساتھ جو برتاؤ آں حضرتؐ نے کیا وہ آپؐ کے جانشینوں کے لئے نمونہ قرار پایا۔ خیبر کے یہودیوں کو مکمل مذہبی آزادی دی گئی اور ان کے دینی معاملات سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا گیا۔ ان کی زمینیں ان کے پاس رہنے دی گئیں۔ جب خلفائے راشدین کے زمانہ میں اسلامی فتوحات کا دور شروع ہوا تو مفتوحہ ممالک کے ساتھ انہی اصولوں پر عمل کیا گیا۔

جنگ موتہ

عرب اور شام کے سرحدی علاقہ پر بنی غسان کی حکومت تھی یہ لوگ ایک عرصہ سے عیسائی ہو گئے تھے اور قیصرِ روم (یعنی شہنشاہِ قسطنطنیہ) کے باجگذار تھے۔ آنحضرتؐ نے مختلف ممالک کے بادشاہوں کو جو تبلیغی خطوط لکھے تھے، ان میں سے ایک اس علاقے کے حاکم شرجیل کے نام تھا۔ شرجیل نے آپؐ کے قاصد کو قتل کر دیا۔ آپؐ نے اس کا بدلہ لینے کے لئے تین ہزار کا لشکر اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارث کی کمان میں روانہ کیا۔ آپؐ نے ایک غلام کو بڑے بڑے سرکردہ صحابیوں پر افسر مقرر کر کے اسلام کی مساوات کا نقشہ قائم کر دیا کہ اسلام میں چھوٹے اور بڑے کی کوئی تخصیص نہیں۔ اس لشکر کو روانہ کرتے وقت آپؐ نے زید کو ہدایت کی کہ وہ عیسائی راہبوں پر ہاتھ نہ اُٹھائیں۔ کسی عورت اور بچے کو قتل نہ کریں کسی بوڑھے کو نہ ستائیں اور کسی درخت کو نہ کاٹیں۔ ساتھ ہی آپؐ نے فرمایا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابوطالب ان کی جگہ لیں اور اگر وہ بھی شہید

ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ سپہ سالار بنیں اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر مسلمان جس کو مناسب سمجھیں اپنا سردار بنالیں ۔

جب اسلامی لشکر موتہ کے مقام پر پہنچا تو ایک لاکھ عیسائی فوج ان کے مقابلہ کے لئے موجود تھی ۔ ایک لاکھ اور تین ہزار کا کوئی مقابلہ نہ تھا ۔ زید نے اپنے افسروں سے مشورہ کیا کہ آیا ہم آن حضرت صلعم کو دشمن کی تعداد سے باخبر کریں ، تاکہ آپؐ انہیں مزید کمک بھیجیں ۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے اٹھ کر تقریر کی کہ اگر ہم مدینہ سے شہادت کا درجہ حاصل کرنے کے لئے نکلے ہیں تو ہمیں اس بات کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے کہ دشمن کی تعداد کتنی ہے ۔ اس تقریر سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ دشمن کے لشکر پر ٹوٹ پڑے ۔ پہلے حضرتِ زید نے شہادت پائی ۔ اب اسلامی جھنڈا حضرتِ جعفر بن ابوطالب کے ہاتھ میں تھا ۔ انہوں نے بڑی بہادری دکھائی ۔ لڑتے لڑتے جب ان کا داہنا ہاتھ کٹ گیا تو جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا ۔ جب وہ بھی کٹ گیا تو جھنڈے کو گود میں لے لیا اور اسی حالت میں شہادت پائی ۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ شہید ہو گئے تو پھر حضرتِ خالد بن ولید سپہ سالار منتخب کئے گئے ۔ انہوں نے اپنی مختصر سی فوج کو دائیں بائیں ۔ آگے پیچھے اس حکمتِ عملی سے لڑایا کہ دشمن اس کے جھکمے میں آگئے کہ مسلمانوں کو مزید امداد پہنچ گئی ہے ۔ مسلمانوں کے پے در پے حملوں سے دشمن پیچھے ہٹ گیا اور اس طرح حضرتِ خالد بن ولید اسلامی فوج کو دشمن کے نرغے سے نکال لائے ۔

اس کارنامہ پر آں حضرتؐ نے خالد کو سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کا خطاب دیا ۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں زندگی بھر کسی معرکے میں شکست نہیں ہوئی ۔

باب ۱۲

فتح مکہ ۸ھ

مکہ پر چڑھائی کے اسباب قریش مسلمانوں کے خلاف مسلسل جنگوں سے تنگ آ چکے تھے۔
اسی لئے انہوں نے حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں سے صلح کر لی تھی۔ لیکن وہ صلح حدیبیہ پر زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکے۔ حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ قبائل عرب، قریش مسلمانوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ کر لیں۔ اس بنا پر بنی خزاعہ مسلمانوں کے اور بنی بکر قریش کے حلیف ہو گئے۔ اس کے معنی یہ تھے کہ اگر بنی بکر بنی خزاعہ پر حملہ کریں تو مسلمان بنی خزاعہ کی حمایت کریں گے۔ اسی طرح اگر بنی خزاعہ، بنی بکر پر حملہ کریں تو بنی بکر کو قریش کی حمایت حاصل ہو گی۔ ان دونوں قبیلوں کے درمیان کئی سالوں سے دشمنی چلی آتی تھی۔ حدیبیہ کے دو سال بعد دفعتہً بنی بکر نے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ اور جب انہوں نے خانہ حرم میں پناہ لی تو وہاں بھی انہیں نہ چھوڑا۔ اس لڑائی میں رؤسائے قریش نے علانیہ بنی بکر کی امداد کی اور صلح کا معاہدہ توڑ دیا۔

قبیلہ خزاعہ کے چند سردار آنحضرت ﷺ کی خدمت میں شکایت لے کر پہنچے اور آپ ﷺ سے قریش کی زیادتیوں کا بدلہ لینے کی درخواست کی۔ جب آپ ﷺ نے تمام واقعات سنے تو آپ ﷺ کو سخت رنج ہوا لیکن کوئی سخت قدم اٹھانے سے پہلے آپ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ صلح جوئی سے کام نکالا جائے۔ آپ ﷺ نے

ایک قاصد بھیجا اور قریش کے سامنے تین شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے کوئی ایک منظور کی جائے۔

۱۔ مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔

۲۔ قریش بنی بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

۳۔ اعلان کیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

جب قاصد قریش کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں تیسری شرط منظور ہے اس پر قاصد واپس آگیا۔

قاصد کے واپس جانے کے بعد قریش کو اندیشہ ہوا کہ مبادا مسلمان حملہ کر بیٹھیں، اس لئے انہوں نے معاہدہ کی تجدید کے لئے ابوسفیان کو سفیر بنا کر مدینہ بھیجا۔ ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے سفارش کروانی چاہی۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ چنانچہ ابوسفیان مدینہ سے ناکام واپس آیا۔

مکہ پر چڑھائی

ابوسفیان کے جانے کے بعد آپؐ نے مکہ پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور اپنے حلیف قبائل کو کہہ بھیجا کہ وہ تیار ہو کر آئیں۔ ساتھ ہی یہ احتیاط بھی کی کہ اہلِ مکہ کو خبر نہ ہونے پائے۔ ایک صحابی نے قریش کو ایک عورت کے ذریعہ سے خبردار کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ عورت راستہ ہی میں پکڑی گئی۔ اور اس سے خط چھین لیا گیا۔ جب وہ صحابی آپؐ کی خدمت میں پیش کئے گئے تو انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ میرے بال بچے ابھی تک مکہ میں ہیں۔ میں نے قریش پر احسان رکھنا چاہا، تاکہ وہ اس صلہ میں میرے بال بچوں کی حفاظت کریں۔

چونکہ وہ صحابی بدر کے معرکہ میں شرکت کر چکے تھے۔ اس لئے ان سے کوئی مواخذہ نہ کیا گیا۔

ابوسفیان کی گرفتاری اور معافی

جب تمام تیاریاں مکمل ہو چکیں تو آپؐ دس ہزار کا لشکرِ جرار لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور مرالظہران پہنچ کر قیام کیا۔ یہ مقام مکہ سے صرف ایک منزل کی دوری پر تھا۔ یہاں آپؐ نے حکم دیا کہ اسلامی فوجیں دور دور تک پھیل جائیں۔ قریش کو جب خبر ہوئی کہ مسلمان اچانک ان کے سر پر آ پہنچے ہیں تو ان کے اوسان خطا ہو گئے۔

ابوسفیان اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ اس خبر کی تحقیق کے لئے نکلا۔ جب مکہ سے باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ تمام صحرا آگ سے روشن ہے اور جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے ، اسلامی لشکر کا کیمپ پھیلا ہوا ہے۔ اس اثنا میں اسلامی لشکر کے چند سپاہیوں نے جن میں حضرتِ عباس بھی شامل تھے ، ابوسفیان کو پہچان کر گرفتار کر لیا۔ حضرتِ عباسؓ نے ابوسفیان کو فوراً آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ تاکہ کوئی معافی کی صورت پیدا ہو سکے۔ حضرتِ عباس اور ابوسفیان زمانۂ جاہلیت میں بہت گہرے دوست تھے حضرت عمرؓ نے ابوسفیان کی صورت دیکھتے ہی تلوار نیام سے نکال لی اور کہنے لگے کہ "یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ میں آج اس دشمنِ خدا کی گردن اڑا دوں"۔ مگر آپؐ کے چچا حضرتِ عباسؓ نے سفارش کی کہ اسے معاف کر دیا جائے۔ ابوجہل کے بعد ابوسفیان اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ اس نے مدینہ پر بار بار حملے کئے۔ تمام قبائلِ عرب کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا۔ کئی بار آپؐ کے قتل کی سازشیں کیں۔ لیکن آپؐ کی شان کریمی دیکھئے کہ آپؐ نے نہ صرف اسے بالکل معاف کر دیا بلکہ اس کی یہ عزت افزائی کی کہ مکہ میں داخل ہوتے وقت اس کے گھر کو امن کی جگہ قرار دیا۔ رات بھر ابوسفیان حضرتِ عباس کے پاس رہا۔ دوسرے دن جب بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا تو آپؐ نے پوچھا کہ ابوسفیان! کیا اب بھی

اسلام لانے میں کچھ تامل ہے ؟ ابوسفیان نے ندامت سے گردن جھکالی اور کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔

مکّہ میں داخلہ - ۲۰ رمضان ۸ھ

آخر کار وہ وقت آگیا کہ فتحِ مبین کا خداوندی وعدہ پورا ہو۔ چشمِ فلک نے حیران ہوکر دیکھا کہ وہی محمدؐ جو رات کی تاریکی میں انتہائی بے کسی کی حالت میں صرف ایک ساتھی کے ساتھ مکّہ سے نکلا تھا۔ آج ٹھیک آٹھ برس کے بعد اس شان سے مکّہ میں داخل ہو رہا ہے کہ اس کے جھنڈے تلے دس ہزار فدایانِ اسلام جمع ہیں۔ مکّہ میں داخل ہوتے وقت آپؐ نے اعلان کرادیا۔ کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا۔ یا حرمِ پاک میں پناہ لے گا۔ یا ابوسفیان اور حکیم بن حزام (حضرتِ خدیجہؓ کے قریبی رشتہ دار) کے گھر پناہ لے گا۔ یا اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے گا، اس کو امن دیا جائے گا۔

۲۰ رمضان ۸ھ جمعہ کے دن، آپؐ مکّہ کے بالائی حصّہ سے اور حضرتِ خالد بن ولید زیریں حصّہ سے شہر میں داخل ہوئے۔ لشکرِ اسلامی کو تاکید تھی کہ جب تک کوئی شخص خود ان پر حملہ نہ کرے، وہ کسی پر تلوار نہ اٹھائیں۔ قریش اتنا بڑا لشکر دیکھ کر ہکّا بکّا رہ گئے دس ہزار کے مقابلہ کی ان میں تاب کہاں تھی ؟ مگر پھر بھی عکرمہ بن ابوجہل اور اس کے چند ساتھیوں نے حضرتِ خالد بن ولید کی خفیف سی مزاحمت کی جس میں تین مسلمان شہید ہوئے اور تیرہ کافر مارے گئے۔ اس طرح مکّہ نہایت امن و سکون کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھ آگیا۔

دُنیا کی مہذّب اور غیر مہذّب قوموں کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے

کہ مفتوح شہر فاتح فوج کے حوالے کردیا جاتا ہے کہ وہ جس قسم کی غارت گری چاہیں مچائیں۔ ان سے کوئی باز پرس نہیں کی جاتی۔ رُومیوں نے جب کارتھیج فتح کیا تو اُس کی بنیادیں تک اکھڑوا دیں اور ان میں ہل چلا دیا۔ غدر کے بعد جب انگریز دہلی میں داخل ہوئے تو انہوں نے تمام شہر کو گورہ فوج کے حوالے کر دیا۔ دوسری جنگِ عظیم میں جب رُوسی اور اتحادی فوجیں برلن میں داخل ہوئیں تو اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ یہاں اسلامی افواج مکّہ میں فاتحانہ داخل ہو رہی ہیں اور کسی شہری کو ہاتھ تک نہیں لگایا گیا۔ غیر مسلم مورخین آج تک اس حیرت انگیز منظر پر انگشت بدندان ہیں۔

کعبہ کی تطہیر مکّہ میں داخل ہوتے ہی آپؐ سیدھے خانہ کعبہ میں گئے، اس وقت یہاں تین سو ساٹھ بُت نصب تھے۔ آپؐ کے ہاتھ میں ایک لکڑی (بقول بعض مورخین ایک کمان) تھی۔ آپؐ ہر بُت کو لکڑی سے توڑتے جاتے تھے اور زبانِ مبارک سے فرماتے تھے:۔

جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ (ترجمہ) حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ تحقیق باطل مٹنے ہی کی چیز ہے۔

اس کے بعد آپؐ نے کعبہ کو دیگر آلائشوں (یعنی تصاویر وغیرہ) سے پاک کیا اور دو رکعت نمازِ شکرانہ ادا کی۔

قریش کو عام معافی اِن امور سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ کعبہ کے صحن میں تشریف لائے۔ آپؐ کے سامنے تمام قریش جمع تھے، ان میں وہ بھی تھے۔ جنہوں نے اسلام کے مٹانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ وہ بھی تھے جنہوں نے آپؐ کی راہ میں

کانٹے بچھائے۔ وہ بھی تھے جنہوں نے آپؐ کے قتل کے منصوبے باندھے اور وہ شقی القلب بھی تھے جنہوں نے غریب مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے تھے۔ قریش کے دل خوف سے دھڑک رہے تھے کہ دیکھیں آج ہماری کرتوتوں کی کیا سزا ملتی ہے۔ آپؐ نے سب سے پہلے خطبہ دیا جس کا ماحصل یہ تھا کہ آج سے عرب کے تمام جاہلانہ قوانین جن کی بنا خاندانی تفاخر اور نسلی امتیاز پر تھی منسوخ کئے جاتے ہیں اور ان کی بجائے اسلامی مساوات پر نسلِ انسانی کی بنیاد رکھی گئی۔ خطبہ کے بعد آپؐ نے بڑے بڑے جباران قریش سے پوچھا کہ آج تم کس قسم کے سلوک کی مجھ سے امید رکھتے ہو؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ "تم ہمارے شریف بھائی ہو اور شریف بھائی کے بیٹے ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ اچھا، جاؤ! تم سب آزاد ہو۔ تم سے کوئی بازپرس نہیں کی جاتی۔ چند اشتہاری مجرموں کے علاوہ باقی سب کو معافی دے دی گئی، اور تو اور حبشی غلام وحشی (جس نے حضرتِ حمزہؓ کو چھپ کر قتل کیا تھا۔ اور ابوسفیان کی بیوی ہندہ (جس نے ان کا کلیجہ چبایا تھا) کو بھی معاف کر دیا گیا۔ انہیں کے ساتھ آپؐ نے ایک ایسے شخص کو بھی معاف کر دیا جس نے آپؐ کی بیٹی زینبؓ کو ہجرت کرتے وقت زخمی کر دیا تھا۔ اور وہ انہی زخموں سے جانبر نہ ہو سکیں۔ ہجرت کے بعد کفارِ مکہ نے مہاجرین کی جائیدادوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ آپؐ حق بجانب تھے اگر آپؐ مہاجرین کو ان کے مکانات وغیرہ واپس دلاتے۔ مگر آپؐ نے مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ اپنے حقوق سے دست بردار ہو جائیں۔

اہلِ مکہ کا قبولِ اسلام

اس معافیٔ عام کے بعد آپؐ صفا کی پہاڑی پر جلوہ فرما ہوئے۔ جو لوگ اسلام قبول کرتے جاتے تھے۔ آپؐ ان سے بیعت لیتے تھے۔ اس موقعہ پر تقریباً تمام اہلِ مکہ مسلمان ہو گئے۔ صرف چند کافر اپنے

مذہب پر قائم رہے۔ ان کو پوری پوری مذہبی آزادی دی گئی۔ اس کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ جنگِ حنین میں کئی کافر بھی مسلمانوں کی فوج میں شامل تھے۔ ابوسفیان تو پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا۔ اب اس کا بیٹا معاویہ اور اُس کی بیوی ہندہ بنت عتبہ (جس نے حضرتِ حمزہؓ کا جگر چبایا تھا، لیکن جس کو آپؐ نے معافی دے دی تھی) بھی مسلمان ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ کے والد ابو قحافہ جو بڑھاپے کی وجہ سے نابینا ہو گئے تھے۔ وہ بھی اسی موقعہ پر مسلمان ہوئے۔ حتیٰ کہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل کا لڑکا عکرمہ اور صفوان بن امیہ جو فتحِ مکّہ کے وقت بھاگ گئے تھے، واپس آ کر مسلمان ہو گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی تمام عمریں اسلام اور رسُولِ اکرمؐ کی مخالفت میں گزار دی تھیں۔ مگر آپؐ کی رحیمانہ پالیسی سے متاثر ہو کر اب انہوں نے باقی ماندہ زندگی اسلام کے راستہ میں وقف کر دی۔ عکرمہ بن ابوجہل یرموک کی لڑائی میں شہید ہوئے اور ابوسفیان کی ایک آنکھ جنگِ یرموک میں جاتی رہی۔ ایک آنکھ پہلے ہی جنگِ حنین میں ضائع ہو چکی تھی۔

مدینہ کو واپسی

مکّہ میں پندرہ دن قیام کے بعد آپؐ مدینہ واپس تشریف لے گئے۔ جب مکّہ فتح ہوُا تو انصار میں سے بعض لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوُا کہ آپؐ کو مکّہ بہت محبوب ہے اور تمام قریش بھی مسلمان ہو چکے ہیں اس لئے اب آپؐ اپنے وطن ہی میں رہیں گے۔ انصار کے اس اندیشہ کی آپؐ کو بھی خبر ہو گئی۔ آپؐ نے انصار کو بُلا کر پُوچھا کہ آپ لوگوں کو میری جانب سے کیا اندیشہ ہے؟ پہلے تو انصار نے چھپانے کی کوشش کی لیکن جب آپؐ نے اصرار کیا تو انہیں مجبوراً اپنے اندیشے کا اظہار کرنا پڑا۔ آپؐ نے فرمایا

کہ "یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ میں آپ کو چھوڑ کر مکہ میں رہائش اختیار کروں۔ میری زندگی اور موت تم لوگوں کے ساتھ ہے۔"



باب ۱۲

جنگِ حنین جنگِ تبوک اور وفود کی آمد

جنگِ حنین ۸ھ اس لڑائی کے دو اور نام بھی ہیں جنگِ اوطاس اور جنگِ ہوازن۔ اوطاس ایک جگہ کا نام ہے اور ہوازن ایک مشہور قبیلہ تھا۔ جس نے اس جنگ میں نمایاں حصّہ لیا تھا۔ لیکن تاریخ میں یہ جنگ جنگِ حنین کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ مکّہ اور طائف کے درمیان بنی ثقیف اور بنی ہوازن دو جنگجو اور سرکش قبیلے آباد تھے۔ اسلام کو جس قدر غلبہ ہوتا تھا وہ اور زیادہ مضطرب ہوتے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ اب تک تو مسلمان قریش سے اُلجھے رہے۔ اب جب مکّہ فتح ہوگیا ہے۔ مسلمان ہماری طرف پلٹ پڑیں گے۔ اس لئے کیوں نہ ہم پہلے ہی ان پر حملہ کر دیں چنانچہ یہ دونوں قبیلے اپنی پوری تیاری کے ساتھ لڑنے کے لئے نکلے اور اوطاس کے مقام پر اپنی فوجیں جمع کرلیں۔ یہ جگہ پہاڑوں کے درمیان ایک تنگ گھاٹی میں واقع تھی۔ ان کے جوش وخروش کا یہ عالم تھا کہ عورتوں اور بچّوں کو بھی ساتھ لے لیا۔ تاکہ سپاہی زیادہ بہادری سے لڑیں۔ آنحضرتؐ ابھی مکّہ ہی میں تشریف رکھتے تھے کہ ان لوگوں کے جارحانہ عزائم کی اطلاع ملی۔ آپؐ نے ایک

جاسوس کو حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ اس نے واپس آکر ان کی جنگی تیاریوں کی تصدیق کی اور خبردار کیا کہ اگر جلدی حملہ نہ کیا گیا تو ان کی قوت بہت بڑھ جائے گی۔ آپ بارہ ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے جس میں تقریباً دو ہزار مکہ کے نومسلم اور سو کافر بھی تھے۔ جو مالِ غنیمت کے لالچ میں مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہوگئے تھے۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ مسلمان اتنی بڑی تعداد میں دشمن کے مقابلہ کے لئے نکلے تھے۔ چنانچہ بعض لوگوں کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے؟ لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ فتح و ظفر خدا کے اختیار میں ہے۔

حنین پہنچ کر دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئیں بنی ثقیف اور بنی ہوازن تمام عرب میں تیر اندازی کے لئے مشہور تھے مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے انہوں نے اپنے ماہر تیر انداز دروں اور گھاٹیوں میں چھپا دئے۔ جوں ہی مسلمانوں کا پہلا دستہ جس میں مکہ کے نومسلم تھے وادیٔ حنین میں داخل ہوا۔ دشمن کے پوشیدہ تیر اندازوں نے انہیں تیروں پہ دھرلیا۔ مسلمانوں کا ہراول دستہ اس غیر متوقع تیر اندازوں سے بدحواس ہو گیا۔ اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ جب پچھلے دستوں نے انہیں بھاگتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ بعض مؤرخین کے نزدیک یہ درست نہیں کہ پہلے ہی حملہ میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ان مورخین کا کہنا ہے کہ پہلے حملہ میں مشرکین پسپا ہوئے مگر ابھی پوری طرح ان کو شکست نہ ہوئی تھی کہ مسلمان (جنگِ اُحد کی طرح) مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ اس سے دشمن کو موقعہ مل گیا اور ان کی مسلسل تیر باری سے مسلمانوں کے پاؤں پھر نہ جم سکے۔

آں حضرتؐ کے ساتھ صرف چند رفیق رہ گئے تھے۔ لیکن آپؐ کے عزم و استقلال میں کوئی فرق نہ آیا۔ آپؐ نے حضرت عباس کو جن کی آواز کافی بلند تھی حکم دیا کہ مسلمانوں کو واپس آنے کی تاکید کریں۔ ان کی آواز سنتے ہی مسلمانوں

کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، اور وہ دوبارہ جمع ہو گئے۔ اب کے مسلمان اس جانبازی سے لڑے کہ دیکھتے ہی دیکھتے جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ دشمن بھاگ کھڑا ہوا اور بے شمار مال و دولت، عورتیں اور بچے مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ دشمن نے بھاگ کر طائف میں پناہ لی۔

مسلمانوں کی شکست کے اسباب

تاریخ اسلام میں یہ دوسرا موقعہ تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی، اس کے مندرجہ ذیل چند اسباب تھے:

۱۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ اتنے بڑے لشکر کو دیکھ کر مسلمانوں کے دل میں کچھ گھمنڈ پیدا ہو گیا تھا اور انہوں نے اپنی تعداد پر بھروسہ کر کے دشمن کی چالوں کی پروا نہ کی۔

۲۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کے ہراول دستہ میں مکّہ کے نومسلم نوجوان تھے۔ جو جوانی کے غرور میں پورے ہتھیار بھی پہن کر نہیں آئے تھے۔

۳۔ اس کے علاوہ یہ لوگ تازہ تازہ مسلمان ہوئے تھے۔ اس لئے ان میں مہاجرین اور انصار جیسا استقلال اور ثبات پیدا نہیں ہوا تھا۔

۴۔ دشمن نے میدانِ جنگ میں پہلے پہنچ کر اچھی اچھی جگہوں پر قبضہ کر لیا تھا اور پہاڑی گھاٹیوں اور درّوں میں اپنے ماہر تیر انداز چھپا دئے تھے۔ تیر اندازی میں یہ لوگ اس قدر ماہر تھے کہ عرب میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔

۵۔ مسلمانوں کو نشیب میں ٹھہر کر جنگ کرنی پڑی اور وہ چاروں طرف سے دشمن کی زد میں تھے۔ جوں ہی جنگ شروع ہوئی ان پر چاروں طرف سے تیر برسنے لگے۔

۶۔ اسلامی لشکر میں کچھ ایسے لوگ بھی موجود تھے جو جہاد کے لئے نہیں بلکہ غنیمت کے لالچ میں آکر شامل ہو گئے تھے۔ ان میں تقریباً سو

کافر بھی تھے۔ جو محض اس غرض سے شریک ہوئے تھے کہ مسلمانوں کو عین جنگ میں دھوکا دیں۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ میدانِ حنین سے بھاگ کر دشمن نے طائف میں پناہ لی۔ طائف کے گرد بڑی مضبوط فصیل تھی۔ یہ لوگ بہت سا کھانے پینے کا سامان جمع کر کے قلعہ بند ہو بیٹھے۔ مسلمانوں نے اٹھارہ بیس دن تک بڑی سختی سے محاصرہ کیا اور پہلی بار منجنیق اور دوسرے قلعہ شکن آلات استعمال کئے۔ لیکن قلعہ سر نہ ہو سکا۔ آخر ایک معزز صحابی نے آنحضرت کو رائے دی کہ "لومڑی اپنے بھٹ میں گھس گئی ہے۔ اگر کوشش جاری رہی تو پکڑی جائے گی۔ لیکن اگر چھوڑ دی جائے تب بھی کچھ اندیشہ نہیں"۔ (شبلی اوّل - ۵۴۲) آپؐ نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور محاصرہ اُٹھا لیا۔ کچھ مدت کے بعد یہ لوگ خود مدینہ حاضر ہوئے اور اسلام لے آئے۔

جنگِ حنین میں بے شمار مال و دولت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ آپؐ نے تمام مالِ غنیمت شرعی قوانین کے مطابق مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ لیکن "تالیفِ قلوب" کی خاطر ان لوگوں کو زیادہ حصہ دیا جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ ان میں زیادہ تر قریش تھے۔ انصار میں سے بعض لوگوں کو یہ بات ناگوار گزری اور انہوں نے زیرِ لب شکایت کی کہ آپؐ نے قریش کو مال زیادہ دیا اور انصار کو محروم رکھا۔ حالانکہ ان کی تلواریں ابھی تک قریش کے خون سے رنگین ہیں۔ یہ بات کسی طرح آپؐ کے کانوں تک پہنچی تو آپؐ نے انصار کو جمع کر کے ایک تقریر کی۔ یہ تقریر فنِ خطابت کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ (قریش) نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں۔ میں نے ان کا دل رکھنے کے لئے انہیں ان کے حصے سے زیادہ مال دیا ہے۔ اے انصار! کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اور لوگ تو اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم خدا کے رسول کو اپنے گھر لے جاؤ۔ خدا کی قسم مجھے تم سے اتنی محبت ہے کہ اگر مہاجر نہ ہوتا

تو انصاری ہونا پسند کرتا اور اگر لوگ جدا جدا راستے اختیار کریں تو میں انصار کا راستہ اختیار کروں گا۔" یہ سحر آفریں تقریر سُن کر انصار پکار اُٹھے کہ "ہمارے لئے خدا کا رسول ہی کافی ہے۔"

عرب میں دستور تھا کہ جنگ کے بعد جنگی قیدیوں کو ان کے رشتہ دار زرِ فدیہ دے کر چھڑا لے جاتے تھے۔ جنگِ حنین کے موقعہ پر دشمن کے چھ ہزار قیدی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے تھے۔ جنگ کے بعد آپؐ نے کافی دیر انتظار کیا۔ لیکن کئی دن گزرنے پر بھی کوئی نہ آیا۔ جب مالِ غنیمت تقسیم ہو چکا تو دشمن کا ایک وفد قیدیوں کی رہائی کے لئے حاضر ہوا۔ آپؐ کی رضاعی والدہ دائی حلیمہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس لئے آپؐ فدیہ لئے بغیر انہیں رہا کرنا چاہتے تھے۔ آپؐ نے جواب دیا کہ میں تنہا اس معاملہ میں مختار نہیں۔ میں صرف اپنا حصّہ تمہیں واپس کر سکتا ہوں۔ عام رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے بعد جب تمام مسلمان جمع ہوں، تم یہ درخواست پیش کرو۔ میں تمہاری سفارش کروں گا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ آپؐ نے مجمع کے سامنے اُٹھ کر فرمایا کہ "میں اپنے اور اپنے رشتہ داروں کا حصّہ واپس کرتا ہوں اور مسلمانوں سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ وہ بھی ایسا ہی کریں۔ چنانچہ تمام مسلمانوں نے آپؐ کی آواز پر لبیک کہی اور اپنے اپنے قیدی چھوڑ دئے۔

جنگِ تبوک سنہ ۹ھ

اس سے پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ عرب اور شام کے درمیانی سرحدی علاقے میں بنی غسان حکومت کرتے تھے۔ یہ لوگ عرب تھے۔ لیکن مدتوں سے عیسائی ہو گئے تھے اور اب قیصرِ روم کے باجگزار تھے۔ انہی کے ایک بادشاہ شرجیل نے آنحضرتؐ کے قاصد کو قتل کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے جنگِ موتہ پیش آئی تھی۔ سنہ ۹ھ میں یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ رومیوں کا ایک بہت

بڑا لشکر مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے جمع ہو رہا ہے۔ جنگِ موتہ کے وقت سے رومیوں کے حملہ کا خطرہ محسوس کیا جا رہا تھا، اور عرب میں عموماً رومیوں کے متوقع حملہ کے متعلق افواہیں اٹھتی رہتی تھیں، اس لئے آں حضرتؐ کے پاس اس افواہ کو باور کرنے کے قوی اسباب تھے۔ عین اس وقت شامی تاجروں کے ایک گروہ نے، جو مدینہ آیا ہوا تھا۔ اس افواہ کی تصدیق کر دی۔ اس کے ساتھ ہی یہ افواہ بھی پھیل گئی کہ قیصرِ روم ہرقل نے عیسائی عربوں کی درخواست پر چالیس ہزار رومی فوج بھیج دی ہے۔ اس بنا پر آن حضرتؐ نے اسلامی فوج کو تیاری کا حکم دے دیا۔ اس سال عرب قحط سے دو چار تھا۔ موسم بھی گرم تھا۔ اور سفر بھی بہت لمبا۔ منافقین نے مسلمانوں کو بہکانے کی کوشش کی۔ لیکن اس پر بھی تیس ہزار مجاہد تیار ہو گئے۔ یہ لشکر اس سے بھی بڑا ہوتا۔ لیکن بہت سے مسلمان ایسے تھے جو اتنے لمبے عرصے کے سفر کی استطاعت نہ رکھتے تھے۔ لہٰذا چندہ کرنے کی ضرورت پیش آئی اکثر صحابہؓ نے بڑی بڑی رقمیں لا کر دیں۔ حضرتِ عثمانؓ نے دس ہزار دینار تین سو اونٹ اور پچاس گھوڑے پیش کئے۔ حضرتِ عمرؓ نے اپنا آدھا مال حاضرِ خدمت کیا۔ حضرتِ ابوبکر صدیقؓ ان سے بھی بڑھ گئے انہوں نے اپنا تمام مال و متاع آنحضرتؐ کے قدموں میں لا کر رکھ دیا۔ آپؐ نے پوچھا کہ ابوبکرؓ اپنے بال بچوں کے لئے بھی کچھ چھوڑا ہے یا نہیں؟ حضرتِ ابوبکرؓ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ میرے لئے خدا اور اس کا رسول کافی ہیں۔ اس واقعہ کے متعلق علامہ اقبالؒ نے ایک مشہور نظم لکھی ہے جس کا آخری شعر ہے ؂

پروانوں کو چراغ، عنادل کو پھول بس
صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسول بس

الغرض آپؐ تیس ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے اور حضرت علیؓ

کو اپنے خاندان کی دیکھ بھال کے لئے مدینہ چھوڑ گئے۔ تبوک (شامی سرحد کے قریب مدینہ اور دمشق کے درمیان ایک مقام) پہنچ کر معلوم ہوا کہ حملہ کی افواہ غلط تھی۔ آنحضرتؐ نے بیس روز تک تبوک میں قیام فرمایا۔ یہاں اس سرحدی علاقے کے بعض سردار آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے معاہدے کر لئے۔ چونکہ کوئی رومی لشکر مقابلہ پہ نہ تھا اور یہاں سے آگے بڑھنے کے لئے زیادہ تیاری کی ضرورت تھی، اس لئے تبوک میں بیس دن قیام کے بعد آپؐ مدینہ واپس آ گئے۔ تبوک آخری مہم تھی جس میں آپؐ نے بہ نفسِ نفیس حصّہ لیا۔

حج اکبر ۹ھ

۸ھ میں مکّہ فتح ہو چکا تھا۔ لیکن کعبہ کا انتظام ابھی تک مشرکین ہی کے ہاتھ میں تھا۔ اور حج کی تمام رسوم بھی زمانۂ جاہلیت کی یادگار تھیں۔ تبوک سے واپس آکر آپؐ نے حضرتِ ابوبکرؓ کو تین سو مسلمانوں کے ساتھ مراسم حج ادا کرنے کے لئے بھیجا۔ حضرتِ ابوبکرؓ نے حاجیوں کو اسلامی طریقہ کے مطابق حج کرنے کے مراسم سکھلائے۔ اس کے بعد حضرتِ علیؓ نے آں حضرتؐ کا ایک اعلانِ عام پڑھ کر سُنایا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو اور نہ ہی کوئی شخص جاہلیت کی رسم کے مطابق برہنہ ہو کر طواف کرے۔ ساتھ ہی یہ بھی اعلان کیا کہ وہ تمام معاہدے جو مشرکین کے ساتھ تھے، چار مہینے کے بعد ختم کر دئے جائیں گے۔ چونکہ یہ پہلا حج تھا جو سنّتِ ابراہیمیؑ کے مطابق ادا کیا گیا اس لئے اس کو قرآنِ پاک نے حج اکبر کے نام پکارا ہے۔ یہ ایک قسم کا اعلان تھا کہ اب دورِ جاہلیت ختم ہو گیا ہے۔

وفود کی آمد ۱۰ھ

صلح حدیبیہ کے بعد جب عرب کے مختلف قبائل کو مسلمانوں سے ملنے جلنے اور ان کے

مذہب کو سمجھنے کا موقعہ ملا تو عام طور پر ان میں اسلام قبول کرنے کا میلان پیدا ہوگیا۔ لیکن چونکہ قریش ان کے دینی پیشوا تھے، اس لئے تمام عرب اس بات کا منتظر تھا کہ دیکھیں اسلام اور کفر کی آخری آویزش میں کون جیتتا ہے؟ جب مکہ فتح ہو چکا تو یہ انتظار ختم ہوگیا۔ فتح مکہ کے بعد جب قریش مسلمان ہو گئے تو دوسرے قبیلے بھی دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اب انہیں صاف نظر آرہا تھا کہ اسلام کے مقابلے میں کوئی طاقت نہیں ٹھہر سکتی۔ جن لوگوں نے خود بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوکر اپنے اپنے قبیلہ کی طرف سے اسلام قبول کیا یا اسلامی ریاست کی حفاظت میں آ گئے۔ مسلم مؤرخین ان کو وفود کے نام سے پکارتے ہیں۔ (وفود جمع وفد کی، یعنی کسی جماعت کی طرف سے نمائندہ اشخاص) ان وفدوں کے سامنے عموماً دو مقصد ہوتے تھے۔ مذہبی اور سیاسی۔ یعنی ایک طرف تو اسلام کی دولت سے مالا مال ہوں اور دوسری طرف اسلامی ریاست کی حفاظت میں آ جائیں۔ لیکن بعض ایسے وفد بھی تھے جن کا مقصد صرف سیاسی تھا۔ خیبر کی مثال سے ان پر واضح ہو چکا تھا کہ وہ اسلام لانے پر مجبور نہیں بلکہ جزیہ یا خراج دے کر وہ اسلامی ریاست کی حفاظت میں آ سکتے ہیں۔ ان وفدوں کی تعداد بھی مختلف بیان کی جاتی ہے۔ ایک مؤرخ نے تو ایک سو چار وفدوں کے حالات بہم پہنچائے ہیں۔ لیکن زیادہ قرینِ قیاس تعداد تیس پینتیس ہے۔ یہ وفد زیادہ تر سنہ ۹ھ میں آئے۔ اس لئے اس سال کو عام الوفود یعنی وفدوں کا سال کہتے ہیں۔

جن بڑے بڑے قبیلوں نے وفد بھیجے ان کے نام یہ ہیں:۔ بنی تمیم۔ بنی سعد۔ بنی اشعر۔ بنی طے۔ بنی ثقیف، بنی تغلب اور بنی نجران۔ ان سب کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ لیکن ان میں

بنی بجزان کا وفد خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ کیونکہ اس سے آنحضرتؐ کی مذہبی رواداری اور فراخ دلی کا ثبوت ملتا ہے۔ بنی بجزان نسلاً عرب لیکن مذہباً عیسائی تھے۔ انہیں عیسائیت سے اس درجہ شغف تھا کہ انہوں نے بجزان میں ایک بہت بڑا کلیسا تعمیر کر رکھا تھا جس کو وہ کعبہ کہتے تھے۔ اور حرمِ پاک کا جواب سمجھتے تھے۔ بنی بجزان کے وفد میں ساٹھ آدمی تھے جن میں ان کے بڑے بڑے راہب اور مذہبی پیشوا شامل تھے۔ آنحضرتؐ نے انہیں مسجد نبوی میں اُتارا اور جب اُن کی نماز کا وقت آیا تو انہیں مسجد کے ایک حصّے میں نماز ادا کرنے کی اجازت دی۔ ان لوگوں نے آپؐ سے مختلف مذہبی مسائل پر گفتگو کی۔ چونکہ مدینہ میں ان کے آنے کا مقصد اسلام لانا نہیں بلکہ سیاسی معاہدہ کرنا تھا، اس لئے یہ وفد چند دن مدینہ میں رہ کر واپس چلا گیا۔

ان وفود کی آمد کا یہ نتیجہ نکلا کہ تھوڑے ہی عرصے میں اسلام عرب کے کونے کونے میں پھیل گیا۔ آنحضرتؐ ان وفدوں کے ارکان کے ساتھ نہایت محبّت سے پیش آتے انہیں اسلام کی تعلیمات سے واقف کراتے اور جب وہ جاتے تو انہیں تحفے تحائف دے کر رخصت کرتے۔ آپؐ کے اس برتاؤ نے ان کے دل موہ لئے اور اس طرح تھوڑے ہی عرصے میں تمام عرب اسلام کے دائرے میں داخل ہو گیا۔

باب ۱۴

حجۃ الوداع اور وفات

حجۃ الوداع ۱۰ھ

جب سارے عرب میں اسلام کی روشنی پھیل چکی تو آپؐ نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ اسلامی شریعت اور اخلاق کے بنیادی اصولوں کا پھر اعادہ کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے آپؐ نے حج کا موقعہ مناسب سمجھا۔ کیونکہ اس موقعہ پر تمام عرب کے مسلمان ایک جگہ جمع ہو سکتے تھے۔ جب آپؐ نے حج کا اعلان فرمایا تو ایک لاکھ مسلمان آپؐ کے ہم رکاب چلنے پر تیار ہو گئے۔ یہ حج آپؐ کا آخری حج تھا۔ اس لئے تاریخ میں اسے حجۃ الوداع کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ حج کے مراسم سے فارغ ہو کر آپؐ منیٰ کے میدان میں تشریف لے گئے اور وہاں تقریباً ایک لاکھ کے مجمع کے سامنے اپنا تاریخی خطبہ دیا جو حجۃ الوداع کی مناسبت سے خطبۃ الوداع کے نام سے موسوم ہے (دراصل یہ دو خطبے تھے جو آپؐ نے یکے بعد دیگرے دئے۔ لیکن چونکہ دوسرے خطبے میں پہلے خطبے کی بہت سی باتیں دہرائی گئی تھیں۔ اس لئے مورخینِ اسلام انہیں ایک ہی خطبے کے دو حصے شمار کرتے ہیں۔) یہ خطبہ امت کے نام آپؐ کا آخری پیغام یا وصیت کہا جا سکتا ہے۔

آپؐ نے فرمایا:-

"لوگو! جو کچھ میں کہوں اسے توجہ سے سنو۔ شاید اگلے سال

پھر یہ موقع نہ ملے۔ دیکھو! جس طرح تم اس دن، اس مہینہ اور اس شہر کی عزت کرتے ہو، اسی طرح تمہاری جان اور تمہارا مال اور تمہاری آبرو ایک دوسرے کے نزدیک قابلِ احترام ہیں۔ زمانۂ جاہلیت کے تمام دستور آج میرے پاؤں کے نیچے ہیں (یعنی میں انہیں ملیا میٹ کرتا ہوں) جاہلیت کے تمام خون (انتقام) باطل کئے جاتے ہیں۔ اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون باطل کرتا ہوں۔ اور زمانۂ جاہلیت کی سُود کی رسم بھی اب بند کی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ عباس بن عبدالمطلب کے سُود کی رقم بھی چھوڑی جاتی ہے۔

لوگو! عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔ وہ تمہارے ہاتھوں میں خدا تعالیٰ کی امانت ہیں۔ پس تم ان سے نیک سلوک کرو۔ تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔ دیکھو! غلاموں کے ساتھ برابر کا سلوک کرنا۔ جو خود کھاؤ، وہی ان کو کھلاؤ۔ اور جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ اور ان سے کوئی خطا ہو تو اسے معاف کر دو۔

لوگو! تم سب کا ربّ ایک ہے۔ اور تم سب ایک ہی باپ (آدم) کی اولاد ہو۔ عربی کو عجمی پر اور سرخ کو سیاہ پر کوئی فوقیت نہیں۔ تم سب میں سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہے۔

دیکھو! اگر کوئی ناک کٹا حبشی بھی تمہارا امیر ہو اور وہ خدا کی کتاب کے مطابق تمہاری قیادت کرے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔ دیکھو تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ میرے بعد گمراہ ہو کر ایک دوسرے کو قتل نہ کرنا۔ تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا۔

اور وہ تم سے تمہارے افعال کی باز پرس کرے گا۔ میں تمہارے لئے دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور اپنی سُنت۔ جب تک تم انہیں مضبوط پکڑے رہوگے، تم کبھی گمراہ نہ ہوگے۔"

یہ ہے آپؐ کے خطبے کا خلاصہ۔ آپؐ اونٹنی پر سوار تھے، اور سب لوگ آپؐ کے اردگرد جمع تھے۔ آپؐ جو کچھ فرماتے تھے۔ دوسرے لوگ بلند آواز سے دہراتے جاتے تھے۔ تاکہ سب لوگوں تک آپؐ کی باتیں پہنچ جائیں۔ جب آپؐ یہ خطبہ دے رہے تھے تو درمیان میں حاضرین سے پوچھتے جاتے تھے کہ بتاؤ! میں نے پیغام خداوندی تم تک پہنچا دیا۔ جب حاضرین جواب دیتے تھے کہ ہاں یا رسول اللہ! آپؐ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا تو آپؐ فرماتے تھے کہ اے اللہ! تو گواہ رہ!

خطبۃ الوداع کے سماجی اور اخلاقی تصورات

چونکہ زمانۂ جاہلیت کا پرانا نظام چکنا چور ہو چکا تھا اور اس کی جگہ اسلامی نظام نے لے لی تھی، اس لئے آپؐ نے اس تاریخی خطبے میں بعض ایسے اصولی نکات پیش کئے، جن پر اسلامی ضابطۂ حیات کی عمارت استوار ہوتی تھی۔ اس میں سب سے پہلے تو صلح اور آشتی کا سبق تھا۔ کیونکہ امن ہی انسان کی تمدنی زندگی کا ضامن ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے زمانۂ جاہلیت کے وحشیانہ قوانین اور رسوم کی منسوخی کا اعلان کیا اور انسانی سماج کے بعض مظلوم طبقوں کے حقوق کی حفاظت کی تلقین کی اور سب سے آخر میں اسلامی مساوات پر زور دیا۔ اس کے مندرجہ ذیل نکات قابلِ غور ہیں:-

۱۔ عرب تمدنی لحاظ سے دنیا کی دوسری قوموں سے بہت پست اور پیچھے تھے۔ عرب میں جان و مال کی کچھ قیمت نہ تھی بلکہ لوٹ مار ان کا

ذریعۂ معاش تھی ۔ جو شخص جس کو چاہتا تھا قتل کر دیتا تھا ۔ اور جس کا مال چاہتا تھا ، چھین لیتا تھا ۔ آپؐ نے ایک دوسرے کے ساتھ صلح اور آشتی سے رہنے پر زور دیا اور قتل اور غارت گری کو حرام قرار دیا ۔ آپؐ نے فرمایا : " جس طرح تم اِس دن ، اس مہینے اور اس شہر کی عزت کرتے ہو ، اسی طرح تمہاری جان اور تمہارا مال اور تمہاری آبرو ایک دوسرے کے نزدیک قابلِ احترام ہیں " ۔

۲ ۔ اس کے بعد آپؐ نے دورِ جاہلیت کے بعض بے ہودہ قوانین اور رسومات کی تنسیخ کا اعلان کیا ۔ ان میں سب سے وحشیانہ رسم خون کا بدلہ خون تھی جو عربوں کے قبائلی نظام میں قرن ہا قرن سے رائج تھی ۔ یہ اس زمانے کی یادگار تھی جب انسانی تہذیب و تمدن اپنے ابتدائی دور میں تھے ۔ اور لاقانونی کا دور دورہ تھا ۔ اُس وقت انسان کنبے یا قبیلے کے زیرِ سایہ ہی رہ کر اپنی حفاظت کر سکتا تھا ۔ عرب تمدنی لحاظ سے ابھی تک ، اس ابتدائی دور میں تھے ۔ ریاست یا مرکزی حکومت کی غیر موجودگی میں کنبہ یا قبیلہ ہی ایک شخص کی جان کا ضامن تھا ۔ اس لئے عربوں میں خون کا انتقام ، ایک قسم کا خاندانی فرض سمجھا جاتا تھا ۔ ایک قتل پر قبیلے کے قبیلے آپس میں اُلجھ پڑتے تھے ۔ اور لڑائیوں کا ایک لا متناہی سلسلہ شروع ہو جاتا تھا اس طرح عرب کی سرزمین ہمیشہ خون سے رنگین رہتی تھی ۔ اب جب کہ اسلام نے تمام عرب قبائل کو متحد کر کے ایک ریاست یعنی مرکزی حکومت کی بنیاد رکھ دی تھی ۔ اس وحشیانہ رسم کی ضرورت باقی نہ رہی تھی ۔ اسی لئے آپؐ نے فرمایا : ۔

" زمانۂ جاہلیت کے تمام خون (انتقام) باطل کئے جاتے ہیں " ۔

اس معاملہ میں سب سے پہلے پیش قدمی آپؐ نے کی اور اپنے خاندان (بنی ہاشم) کے تمام خون معاف کر دیئے۔ یہ فیصلہ عربوں کے سیاسی ارتقا کی طرف ایک اور قدم تھا اور عرب کی سرزمین ہمیشہ کے لئے آپؐ کی ممنون ہے۔

۳۔ اس زمانے میں سُود کی قبیح رسم بھی جاری تھی۔ تمام عرب میں سُودی کاروبار کا جال پھیلا ہوا تھا۔ یہ قبیح رسم غالباً یہودی عرب میں لائے تھے اور انہوں نے سُود کی بھاری بھاری شرحیں مقرر کر رکھی تھیں۔ سُود کی سخت گیری کا یہ عالم تھا کہ بعض لوگ ہمیشہ کے لئے اپنے قرض خواہوں کے غلام بن کر رہ گئے تھے۔ مدینہ کے یہودی تو بعض اوقات عورتوں اور بچوں کو بھی رہن رکھ لیتے تھے۔ آپؐ نے اس ظالمانہ کاروبار کی دھجیاں بکھیر دیں اور سب سے پہلے اپنے ہی خاندان سے اس کی ابتدا کی۔ آپؐ کے چچا عباس کا بڑا وسیع سُودی کاروبار تھا آپؐ نے اعلان فرما دیا کہ عباس کی تمام سُود کی رقمیں چھوڑی جاتی ہیں۔

۴۔ اس کے بعد آپؐ نے بنی نوعِ انسان کے دو مظلوم ترین طبقوں کے حقوق کی حفاظت کا اعلان فرمایا۔ یہ مظلوم طبقے عورتیں اور غلام تھے۔ اسلام سے پہلے عورت کی حیثیت ایک غلام سے کسی صورت میں بہتر نہ تھی۔ وہ اپنے خاوند کی ملکیت سمجھی جاتی تھی اور عرب میں تو یہ دستور تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا اپنی سوتیلی ماؤں کا مالک سمجھا جاتا تھا۔ بعض ممالک خصوصاً قدیم ہندوستان میں عورتیں جُوئے میں داؤں پر لگائی جا سکتی تھیں۔ آپؐ نے اپنے خطبہ میں تصریح فرما دی کہ عورتوں کے حقوق مردوں کے برابر ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں پہلی بار عورت کو مساویانہ حقوق عطا ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی غلاموں کے

متعلق ارشاد ہوا کہ غلاموں کے ساتھ برابر کا سلوک کرنا چاہیئے۔ آپؐ نے مسلمانوں کو تاکید کی کہ جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو، وہی ان کو پہناؤ۔ آپؐ نے غلام کا درجہ بلند کر کے اسے گھر کے ایک رُکن کی حیثیت عطا کی، بلکہ غلاموں کو تخت و تاج کا وارث بنا دیا۔

۵۔ دُنیا کے تمام فسادات کا اصل الاساس نسلی، جغرافیائی اور لسانی امتیازات ہیں۔ ظہورِ اسلام کے وقت (جیسا کہ آج کل بھی ہے) مخلوقِ خدا مختلف طبقوں میں بٹی ہوئی تھی۔ غریب لوگ امرا کی ہمسری نہیں کر سکتے تھے اور گورے کو کالے پر محض رنگ کی بنا پر تفوق حاصل تھا۔ آپؐ نے یہ تمام امتیازات مٹا کر انسانیت کو ایک ہی سطح پر لا کر کھڑا کر دیا۔ آپؐ نے یہ اعلان کر دیا کہ اللہ کے نزدیک تمام انسان برابر ہیں۔ کیونکہ ان کا پالنے والا ایک ہے اور وہ آدم کی اولاد ہیں، اور آدم مٹّی سے بنے تھے۔ عربی کو عجمی پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ ہاں اگر کوئی چیز مابہ الامتیاز ہے تو وہ نیکی ہے، تقوٰی ہے۔ اللہ کے نزدیک معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہے۔

۶۔ اس کے بعد آپؐ نے امت کے جماعتی نظم کو برقرار رکھنے کے لئے مسلمانوں کو اطاعتِ امیر کا سبق سکھلایا۔ آپؐ نے ہدایت کی کہ اگر کوئی ناک کٹا حبشی (یعنی حقیر سے حقیر شخص) بھی تم پر امیر مقرر ہو جائے تو تم پر اس کی مکمل فرماں برداری لازم ہے۔ بشرطیکہ اس کے احکام کتاب و سنّت کے مطابق ہوں۔

۷۔ سب سے آخر میں آپؐ نے اُمت کو اخوت، اتحاد اور اتفاق کا سبق دیا اور مسلمانوں کو آپس کی خانہ جنگی سے منع فرمایا۔ کیونکہ تفرقہ

اندازی تو معمولی کو گھن کی طرح کھا جاتی ہے۔ آپس کی تفرقہ اندازی اور گمراہی کا صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ کہ مسلمان اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رہیں۔

وفات

حجۃ الوداع کے دوران ہی میں آپؐ پر یہ آیت اتری تھی:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ

(ترجمہ) آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں پوری کر دیں۔

اس آیت میں جہاں ایک طرف دین کے کامل ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔ وہاں اس میں یہ اشارہ بھی موجود تھا کہ آپؐ کا تبلیغی مشن پورا ہو گیا ہے۔ اسی لئے آپؐ نے اپنے تاریخی خطبۃ الوداع کے آغاز میں فرما دیا تھا کہ میں شاید آئندہ سال تمہیں نہ مل سکوں۔ آغازِ علالت سے ایک دن پہلے آپؐ نے اسامہ بن زید کو شہیدانِ موتہ کا بدلہ لینے کے لئے ایک فوجی مہم کا سرِ عسکر مقرر کر دیا۔ اس لشکر میں حضرتِ ابو بکرؓ اور عمرؓ جیسے عظیم الشان صحابہؓ بھی معمولی سپاہیوں کی حیثیت سے اسامہ بن زید کے ماتحت تھے۔ اس طرح آپؐ نے اسلامی مساوات کی ایک اور عملی مثال قائم کر دی۔ ابھی یہ لشکر مدینہ ہی میں تھا کہ ماہِ صفر کے آخری دنوں میں (صحیح تاریخ کے بارے میں اختلاف ہے)، شدید سر درد کا عارضہ ہو گیا۔ جس نے بعد میں تیز بخار کی صورت اختیار کر لی۔ اس بیماری کے دوران میں آپؐ حضرتِ عائشہؓ کے حجرے میں رہے۔ ایک دن آپؐ نے سر پر بہت سا ٹھنڈا پانی ڈلوایا تاکہ بخار کی تیزی کم ہو

اور سر باندھ کر مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے تشریف لائے۔ وعظ کے دوران میں آپؐ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ چاہے وہ اس دُنیا کی نعمتوں کو پسند کرے یا جو نعمت اللہ کے پاس ہے وہ لے لے۔ سو اس بندہ نے اللہ تعالیٰ کے ہاں کی نعمتوں کو پسند کر لیا۔" آپؐ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سُن کر حضرتِ ابوبکرؓ سمجھ گئے کہ آپؐ اپنی موت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور وہ رو پڑے۔ سات آٹھ دن کی علالت کے بعد آپؐ اس قدر کمزور ہو گئے کہ آپؐ کو مسجد تک آنے میں تکلیف ہونے لگی۔ آپؐ نے حکم دیا کہ آپؐ کی غیر حاضری میں حضرتِ ابوبکرؓ نماز پڑھائیں۔

اس دوران میں آپ کا مرض روز بروز بڑھتا رہا۔ ایک دن آپؐ کو کچھ افاقہ تھا۔ آپؐ نے اپنے حجرے کا پردہ اُٹھا کر دیکھا کہ مسلمان حضرتِ ابوبکرؓ کی امامت میں اپنا مذہبی فریضہ ادا کرنے میں مصروف ہیں۔ آپؐ کا چہرہ خوشی کے مارے چمک اُٹھا۔

* پیر کا دن تھا اور یکم ربیع الاوّل تھی (تاریخوں میں اختلاف ہے اس بحث کے لئے دیکھئے شبلی دوم ۱۷۱۔ نٹ نوٹ) صحابہ نے سمجھا کہ اب آپؐ کی طبیعت اچھی ہے اور وہ اٹھ کے اپنے کاموں میں لگ گئے۔ اسی شام کو آپؐ کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی، آخری لمحات میں آپؐ کی زبان پر اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی (اللہ ہی سب سے بہترین رفیق ہے) کے الفاظ تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپؐ خود اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ وفات کے وقت آپؐ کی عمر قمری حساب سے ۶۳ سال کی تھی۔

جب آپؐ کی وفات کی خبر مشہور ہوئی تو لوگ مسجد میں جمع ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے سمجھا کہ یہ منحوس خبر کسی منافق نے اُڑا

دی ہے۔ اس لئے آپؓ تلوار نکال کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہ فوت ہو گئے ہیں۔ میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ اتنے میں حضرتِ ابوبکرؓ تشریف لے آئے۔ ان کی طبیعت میں ٹھہراؤ زیادہ تھا۔ وہ سیدھے حضرتِ عائشہؓ کے حجرے میں گئے۔ رُخِ مبارک سے چادر اُٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپؐ واقعی فوت ہو چکے ہیں۔ آپ باہر مسجد میں تشریف لائے اور اعلان کیا کہ :۔

"اے لوگو! جو شخص محمدؐ کی عبادت کرتا تھا وہ سمجھ لے کہ آپؐ فوت ہو گئے ہیں۔ اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا"۔

اس کے بعد آپ نے دلیل کے طور پر یہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ :۔

"محمدؐ تو صرف اللہ کے ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ تو کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم اُلٹے پاؤں (اسلام سے) پھر جاؤ گے"۔

یعنی آں حضرتؐ اسلام سکھانے آئے تھے۔ اب دین مکمل ہو چکا ہے۔ اب آپؐ کی وفات سے دین میں کوئی نقص واقع نہیں ہو سکتا دینِ حق اپنی جگہ پر قائم ہے۔ خدائی قانون نہیں کہ موت کے معاملہ میں انبیاء کے ساتھ، عام انسانوں سے الگ سلوک کیا جائے۔ اس تقریر سے مسلمانوں کو سکون ہوا۔

تجہیز و تکفین بدھ کے دن ہوئی۔ غسل و کفن کے بعد یہ سوال پیدا ہوا۔ کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے۔ ممکن ہے یہ سوال بھی باعثِ تنازع بن جاتا مگر حضرتِ ابوبکرؓ کی فہم و فراست پھر آڑے آئی اور آپ نے کہا کہ نبی جہاں فوت ہوتا ہے وہیں دفن

ہوتا ہے۔ چنانچہ آں حضرتؐ کو حضرتِ عائشہؓ کے حجرے میں ہی دفن کر دیا گیا۔ قبر کچی بنائی گئی۔ اور ایک بالشت اُونچی تھی۔

آنحضرتؐ کے عادات واخلاق

جس طرح اسلام اپنی جامعیت کے لحاظ سے دوسرے مذاہب پر فوقیت رکھتا ہے۔ اسی طرح آنحضرتؐ بھی اخلاق و عادات کے لحاظ سے دوسرے انبیاء سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ آپؐ سے پہلے انبیاء کے متعلق تاریخ اس حد تک خاموش ہے کہ ان کی تعلیمات اور جستہ جستہ واقعاتِ زندگی کے علاوہ اور کچھ پتہ نہیں چلتا۔ لیکن محمدؐ تو ایک تاریخی شخصیت تھے۔ ان کے معمولی سے معمولی افعال واقوال بھی تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں اس لئے ہمیں ان کی سیرت اور کردار کے مطالعہ کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔

ایک دفعہ لوگوں نے حضرتِ عائشہؓ سے پوچھا کہ آپؐ کے اخلاق کیسے تھے؟۔ انہوں نے جواب دیا کہ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے۔ جو کچھ قرآن میں ہے وہی کچھ آپؐ کے اخلاق تھے۔ یعنی آپؐ قرآنِ پاک کی تعلیم کا مکمل اور عملی نمونہ تھے اور آپؐ کی ساری زندگی قرآنِ پاک کی تفسیر تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آپؐ کی زندگی سے ہر انسان خواہ وہ زندگی کے کسی شعبے، مرتبہ یا مقام پر ہو، عملی سبق حاصل کر سکتا ہے۔ اسی لئے قرآنِ پاک نے آپؐ کی سیرت اور کردار کو "اسوۂ حسنۃ" یعنی انسانوں کے لئے بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔

آپؐ کے اخلاق کے متعلق جس قدر تفصیلات ہم تک پہنچی ہیں، اُن لوگوں کی زبانی ہیں جن کو آپؐ کی سیرت اور اخلاق کو جزاً و کلاً مطالعہ کرنے کے مواقع ملے۔ ان میں آپؐ کی ازواجِ مطہرات خصوصاً

حضرت خدیجہؓ اور حضرتِ عائشہؓ اور آپؐ کے دائمی رفیق حضرتِ ابوبکرؓ حضرتِ عمرؓ وغیرہ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں، جنہوں نے اپنی عمریں آپؐ کی خدمت اور رفاقت میں گزار دیں۔

سب سے بڑی خوبی جو آپؐ کے کردار میں ہمیں نظر آتی ہے وہ ہے آپؐ کے کردار کی پختگی۔ یعنی جس چیز کو آپؐ نے اچھا سمجھ کر ایک دفعہ اختیار کیا، اس کی ہمیشہ پابندی کی۔ اسی چیز کا نام سنّت ہے۔ سنّت آپؐ کے وہ اعمال و افعال ہیں جن کو آپ ہمیشہ پابندی سے ادا کرتے رہے اور جن کو بغیر کسی قوی سبب کے کبھی ترک نہیں فرمایا۔ اسی لئے کتاب و سنّت (قرآنِ پاک اور آپؐ کی زندگی) کی پیروی تمام مسلمانوں پر لازم ہے۔

آپؐ کے اخلاق و عادات کی رُوح سادگی اور اخلاص تھے۔ آپؐ دُنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے بیگانہ تھے۔ اس میں رتّی بھر مبالغہ نہیں کہ آپؐ نے بادشاہی میں فقیری کی۔ آپؐ انتہائی بے کسی کی حالت سے اُٹھ کر بادشاہت کے مرتبے تک پہنچے۔ لیکن آپؐ کی طرزِ رہائش اور ضروریاتِ زندگی وہی رہیں جو یتیمی کی حالت میں تھیں۔ بلکہ بادشاہ بن کر آپؐ نے دُنیا کی آسائشوں کو اور کم کر دیا۔ بادشاہت کو چھوڑ کر فقیر بن جانا اس قدر مشکل نہیں جس قدر یہ کہ انسان بادشاہ ہو کر فقیرانہ زندگی بسر کرے۔ دُنیا کے تمام عیش و آرام اس کے اختیار میں ہوں لیکن وہ اپنے نفس پر اس قدر قابو رکھتا ہو کہ کسی چیز کو اپنے مصرف میں نہ لائے۔ ایک کھجور کی چٹائی اور پانی کا ایک پیالہ اس کے گھر کا کل اثاثہ ہو۔ وفات کے وقت آپؐ کے چند دینار حضرتِ عائشہؓ کے پاس جمع تھے۔ وہ اسی وقت منگوا کر خیرات کرا دئے۔

آپؐ ہر قسم کا کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ کپڑوں کو اپنے ہاتھ

سے پیوند لگاتے تھے۔ گھر میں خود جھاڑو دیتے تھے۔ جوتی پھٹ جائے تو خود مرمت کر لیتے تھے۔ خود اپنی بکریوں کی دیکھ بھال کرتے تھے اور اپنے ہاتھ سے اونٹ باندھتے تھے۔ جب مسجدِ نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی تو آپ نے ایک معمولی مزدور کی حیثیت سے کام کیا۔ گھر میں کئی کئی دن آگ نہیں جلتی تھی اور آپ محض کھجوریں کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ ہجرت کے بعد مسلمانوں کی مالی حالت اتنی اچھی نہ رہی تھی۔ مگر جوں جوں ان کے کاروبار میں ترقی ہوئی وہ زیادہ آسودہ حال ہوتے گئے۔ مگر آپ کی زندگی میں کوئی تغیر نہ آیا۔ ایک دفعہ آپ کی بیویوں نے آپ سے شکایتاً درخواست کی کہ انہیں بھی زیادہ آسائشات بہم پہنچائی جائیں۔ یہ ایک بالکل جائز مطالبہ تھا۔ لیکن آپ نے انہیں حکم خداوندی سنا دیا کہ اگر تم آرام و آسائش کی زندگی چاہتی ہو تو تم مجھ سے مال و متاع لے کر رخصت ہو جاؤ۔ الغرض آپ نے اپنی زندگی میں کوئی تبدیلی نہ کی اور پہلے کی طرح عسرت اور تنگ دستی میں بسر ہوتی رہی۔ آپ کے لباس میں بھی سادگی تھی۔ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہننے میں آپ کو کوئی عار نہ تھی۔ البتہ مردوں کے لئے ریشمی لباس ناپسند فرماتے تھے۔

راست بازی اور لین دین کی صفائی میں آپ کے دشمن بھی معترف تھے اور نبوت سے پہلے آپ امین کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ خود ابوجہل کو اعتراف تھا کہ ہم آپ کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ آپ کے پیغام کو جھوٹا کہتے ہیں۔ راست بازی کے ساتھ آپ قول و قرار کے بھی پکے تھے اور پکے بھی اس حد تک کہ اپنے نقصان کے مقابلہ میں ایفائے عہد کو ہمیشہ ترجیح دیتے تھے۔ ابوجندل کا واقعہ اس بات کا شاہد ہے۔ جنگِ بدر میں دو صحابی جو آپ کی روانگی

کے وقت مدینہ میں موجود نہ تھے) لڑائی سے ذرا پہلے اسلامی لشکر میں آ پہنچے۔ کفار نے انہیں روک کر وعدہ لے لیا تھا کہ کفار کے خلاف نہیں لڑیں گے ۔ جب وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے انہیں ان کے وعدہ کے بموجب جنگ میں شرکت سے روک دیا حالانکہ کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد اس قدر تھوڑی تھی کہ اس میں دو کا اضافہ بھی غنیمت تھا۔ لیکن آپؐ نے ایفائے عہد کو سب چیزوں پر مقدم رکھا۔

آپؐ میں عفو اور درگزر کی صفت اس کمال تک پہنچی ہوئی تھی کہ دنیا میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے اُن جباران قریش کو معاف کر دیا جو اسلام کو تباہ کرنے میں اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے اور جنہوں نے آپؐ پر اور غریب مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم توڑے تھے ۔ اس موقعہ پر آپؐ نے عفو اور رحم دلی کی وہ مثال قائم کی کہ تاریخ آج بھی اس پر انگشت بدنداں ہے ۔ اس کے باوجود غیر مسلم مصنفین اگر آپؐ پر (نعوذ باللہ!) سنگدل (CRUEL) ہونے کا الزام لگائیں تو اسے تعصب نہ کہا جائے تو اور کیا ہے ۔ سخت دُکھ اٹھاتے ہوئے بھی آپؐ نے نہ صرف بددعا سے احتراز کیا بلکہ اپنے بدترین دشمنوں کے لئے بھی دعائے مغفرت کی۔ کیونکہ آپؐ تمام دُنیا کے لئے رحمت بن کر آئے تھے ۔ جب بھی آپؐ کو بددعا کے لئے کہا گیا آپؐ نے یہی دُعا کی کہ "اے خدا ! میری قوم کو ہدایت دے کہ وہ جانتے نہیں ۔"

فیاضی طبیعت میں اس قدر تھی کہ کوئی سائل آپؐ کے دروازے سے خالی نہ جاتا تھا۔ اگر پاس کچھ نہ ہوتا تو اس انتظار میں رہتے تھے کہ کہیں سے کچھ آ جائے تو اس سائل کی حاجت پوری کر دیں ۔ وفات

کے وقت صرف چند دینار پاس تھے۔ وہ بھی وفات سے پہلے خیرات میں دے دیئے۔ ایک دفعہ باغ فدک (خیبر کی سرزمین کا ایک ٹکڑا جو آپؐ نے سرکاری ملکیت قرار دے دیا تھا) سے چار اونٹ غلے کے آئے۔ چونکہ آپؐ اپنی حد درجہ کی فیاضی کی وجہ سے ہمیشہ مقروض رہتے تھے اس لئے یہ غلہ بیچ کر قرض ادا کیا گیا۔ مگر اس کے باوجود کچھ غلہ بچ رہا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب تک کچھ بچ رہے گا، گھر نہ جاؤں گا۔ چنانچہ آپؐ نے رات مسجد میں گزاری دوسرے دن جب معلوم ہوا کہ بچا ہوا غلہ بھی غربا میں تقسیم ہو چکا ہے، آپؐ گھر تشریف لے گئے۔

الغرض آپؐ کی ذاتِ گرامی شرافتِ انسانی کے جملہ اوصاف و کمالات کا مجموعہ تھی۔ عفت و عصمت، عدل و انصاف، صبر و قناعت تواضع اور مساوات، مہمان نوازی اور بے تکلفی، شرم و حیا۔ عزم و استقلال۔ ہمت اور شجاعت، آپؐ کی سیرت کے ایسے پہلو ہیں، جن کی تشریح کے لئے دفتر کے دفتر درکار ہیں۔

بعض غیر مسلم مصنفین نے آنحضرتؐ کی خانگی زندگی پر نہایت رکیک حملے کئے ہیں اور آپؐ کو (نعوذ باللہ) شہوانی جذبات کا شکار ٹھہرایا ہے۔ ان کے نزدیک اس الزام کا ثبوت یہ ہے کہ آپؐ نے متعدد شادیاں کیں۔ اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ اس اتہام میں کہاں تک صداقت ہے اور آپؐ کو کن حالات میں اتنی شادیاں کرنے کی ضرورت پیش آئی؟

۱۔ اس ضمن میں سب سے پہلے یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ۵۳ برس کی عمر تک آپؐ کے گھر میں صرف ایک بیوی (حضرت خدیجہؓ) تھی۔ درآں حالیکہ عرب میں متعدد بیویاں رکھنے کا رواج

تھا۔ ۵۳ برس کی عمر تک انسان کے قوائے جسمانی ڈھل جاتے ہیں اور وہ بڑھاپے کی حالت کو پہنچ جاتا ہے۔ یہ وہ دور ہے آپؐ کی زندگی کا کہ دوست تو دوست۔ ابوجہل اور ابوسفیان جیسے دشمن بھی آپؐ کی عفت اور عصمت کی قسم کھاتے تھے۔ ۵۲ سال کے عرصہ میں ۲۵ سال تجرد کی زندگی بسر کرنا (آپؐ نے پہلی شادی پچیس سال کی عمر میں کی) اور باقی ۲۸ سال صرف ایک بیوی پر اکتفا کرنا صاف بتلاتا ہے کہ آپؐ کے خیالات شہوانی جذبات سے کس قدر دُور تھے اور آپؐ کو اپنے جذبات پر کس قدر قابو تھا۔

۲۔ آپؐ کی تمام بیویاں سوائے حضرتِ عائشہؓ کے یا تو بیوائیں تھیں یا آپؐ کے ساتھ شادی سے پہلے کسی دوسرے کی زوجیت میں رہ چکی تھیں۔ اس کا سبب یہ نہیں کہ آپؐ کو کنواری لڑکیاں میسّر نہیں آ سکتی تھیں (کون مسلمان ایسا ہوگا جو آپؐ کو اپنی لڑکی دینے پر فخر محسوس کرتا) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان شادیوں سے آپؐ کی غرض و غایت کچھ اور تھی۔ یہ تو اُوپر بیان ہو چکا ہے کہ ۵۳ سال کی عمر تک آپؐ کی صرف ایک بیوی تھی۔ حضرتِ خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپؐ نے حضرتِ عائشہ صدیقہؓ سے شادی کی اور کچھ عرصہ بعد آپؐ کو ایک بیوہ حضرت سودہ سے نکاح کرنا پڑا۔ یہ کافی عمر رسیدہ بیوہ تھیں۔ ان کا خاوند ہجرتِ حبش سے واپس آ کر وفات پا چکا تھا۔ اور ان کا کوئی سہارا نہ تھا۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی اس لئے آپؐ نے انہیں اپنی زوجیت میں لے لیا۔ ہجرت کے بعد جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور آپؐ کو کئی اور بے سہارا بیواؤں کو اپنی حفاظت میں لینا پڑا۔ چونکہ ابتداءً مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی اس لئے کئی دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ کسی صحابی کے شہید ہونے پر اس کی بیوہ کی

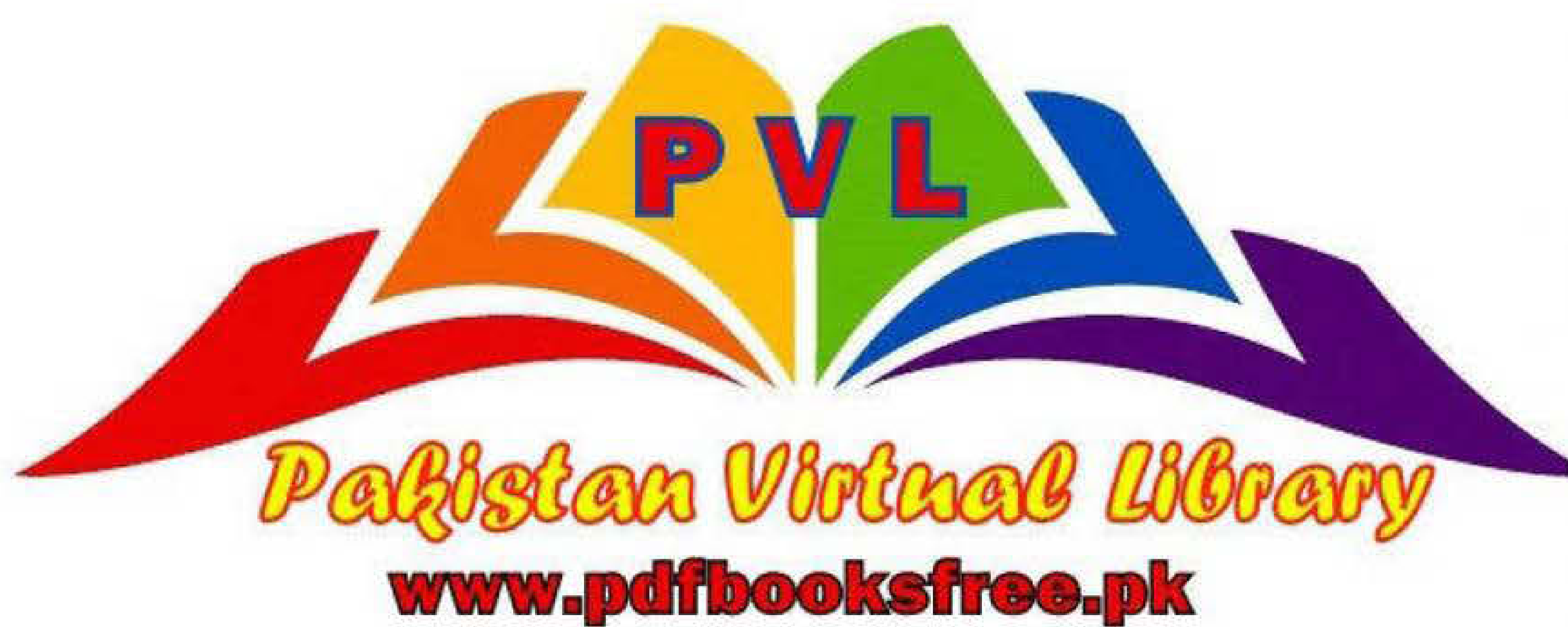
خبرگیری کرنے والا کوئی نہ ہوتا تھا۔ ایسے حالات میں نہ صرف آپؐ کو بلکہ آپؐ کے صحابہ کو بھی متعدد شادیاں کرنی پڑیں۔ جنگ موتہ میں حضرتِ جعفر بن ابو طالب (حضرت علیؓ کے بھائی) شہید ہو گئے تھے، ان کی بیوی سے حضرتِ ابو بکرؓ نے شادی کر لی۔ اسی طرح جنگِ اُحد میں حضرتِ عمرؓ کی صاحبزادی حفصہ کے خاوند شہید ہو گئے تھے، آپؐ نے ان سے بھی شادی کر لی۔ یہ ایک فرض تھا جو آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ پر عائد ہوتا تھا۔ ورنہ بصورتِ دیگر یہ بیوائیں مجبور تھیں کہ کفار سے شادیاں کرلیں۔ جو صریحاً قرآنی احکام کے خلاف ہوتا۔ ان کے علاوہ آپؐ کی دو تین شادیاں سیاسی مصلحت کی بنا پر یا خاص حالات کا نتیجہ تھیں۔ غزوہ بنی المصطلق میں اس قبیلہ کے سردار حارث کی بیٹی جویریہ قیدیوں میں آئیں، اور مالِ غنیمت کی تقسیم پر ایک انصاری کے حوالے ہوئیں۔ اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ لونڈی غلام کچھ رقم دے کر آزاد ہو سکتے تھے یہ انصاری ایک خاص رقم کے بدلے ان کو آزاد کرنے پر رضامند ہو گئے۔ لیکن اتنی رقم حضرتِ جویریہ کے پاس نہیں تھی۔ وہ آن حضرتؐ کے پاس آئیں اور امداد کی طالب ہوئیں۔ آپؐ نے وہ رقم ادا کر دی اور بعد میں ان سے نکاح کر لیا۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ غیر قریشی قبائل سے بھی تعلقات پیدا کئے جائیں۔ تاکہ ان کی حمایت بھی آپؐ کو حاصل ہو جائے۔ اسی طرح جنگِ خیبر میں حضرتِ صفیہ قید ہوئیں، ان کا خاوند اور باپ اس جنگ میں مارے گئے تھے۔ جب قیدیوں کو تقسیم کرنے کا وقت آیا تو ایک صحابی دحیہ کلبی نے آپؐ سے درخواست کی کہ صفیہ ان کے حوالے کی جائے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ صفیہ تو یہودیوں کے رئیس کی بیٹی ہے، اور

وجہیہ نکلی ان کے قابل نہیں۔ یہ دلیل کی آکے ملن کی قرار قبل کرنے کے لیئے آپؐ نے یہی مناسب سمجھا کہ آپؐ خود ان کے رئیس کی بیٹی سے نکاح کریں۔ اس بنا پر آپؐ نے حضرتِ صفیہ سے نکاح کرلیا۔

۳۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ پرانے زمانے میں کئی کئی بیویاں رکھنے کا رواج تھا۔ سوائے حضرتِ عیسےٰ کے جو تمام عمر کنوارے رہے باقی تمام انبیاء کرام مثلاً حضرتِ ابراہیمؑ۔ حضرتِ یعقوبؑ۔ حضرتِ داؤدؑ حضرت سلیمانؑ اور حضرت موسےٰ وغیرہ کی متعدد بیویاں تھیں۔ اس لیئے اگر آں حضرتؐ نے بعض مخصوص حالات میں ایک سے زیادہ بیویاں کیں تو یہ فعل چنداں قابلِ اعتراض نہیں۔ آنحضرت سے پہلے انبیائے کرام نے بھی تو ایسا کیا۔ بلکہ ایک لحاظ سے آپؐ نے کثرتِ ازدواج (POLYGAMY) کو محدود (LIMIT) کرنے کی کوشش کی۔ آپؐ سے پہلے تو عرب کئی کئی بیویاں کرتے تھے۔

۴۔ ہجرت کے کچھ عرصہ بعد جب مسلمانوں کی مالی حالت بہتر ہوگئی تو ان کے گھروں میں بھی زیادہ آرام و آسائش کی چیزیں میسر آنے لگیں۔ یہ دیکھ کر آپؐ کی ازواجِ مطہرات کے دل میں بھی قدرتاً یہ خواہش پیدا ہوئی کہ انہیں بھی زیادہ آسائشیں مہیا کی جائیں۔ یہ ایک جائز مطالبہ تھا۔ مگر اس کے جواب میں آپؐ نے انہیں حکمِ خداوندی سنایا کہ اگر تم آرام و آسائش کی زندگی چاہتی ہو تو بہتر یہ ہے کہ میرے گھر سے رخصت ہو جاؤ۔ خود سوچیئے کہ کیا یہ الفاظ اس شخص کے منہ سے نکل سکتے ہیں جو شہوانی جذبات کا شکار ہو۔

ان حقائق کی روشنی میں ثابت ہو جاتا ہے کہ آپؐ کی خانگی زندگی کے متعلق غیر مسلم مصنفین جس غلط فہمی کا شکار ہیں وہ سراسر تعصب پر مبنی ہے۔


PVL
Pakistan Virtual Library
www.pdfbooksfree.pk